دیوبندی بریلوی اختلاف میں

راہِ اعتدال

پسند فرمودہ

شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا مفتی محمد نعیم صاحب مدظلہ

مدیر الجامعۃ البنوریۃ العالمیۃ

تالیف

مولانا محمد وسیم میواتی

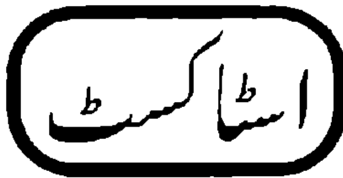
مکتبۃ الجامعۃ البنوریۃ العالمیۃ

نام کتاب ———— راہ اعتدال

تالیف ———— مولانا محمود وسیم میواتی

سر ورق ———— فراز احمد

طبع ———— دوئم



مکتبہ الجامعۃ البنوریۃ العالمیۃ سائٹ کراچی

رابطہ 021-2560300-2560400

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

ابتدائیہ



الحمدللہ وکفٰی والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد اشرف الانبیاء وعلی الہ واصحابہ الاتقیاء وعلی من تبعھم الی یوم الجزآء۔

عام طور پر دارالعلوم دیو بند اور بریلی کی طرف منسوب دو مکاتب فکر کے افراد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد اور مجدد الف ثانی و شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ جیسے اکابر کے عقیدت و معترف سمجھے جاتے ہیں لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آج کل عوامی سطح پر ایک طرح کی تشدد پسندی اٹھی ہے جس کی وجہ سے عدم برداشت سے ہوتے ہوئے اب نوبت ایک دوسرے کی تکفیر تک جا پہنچی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کا موقف سننا تو درکنار، چہرہ تک دیکھنے کا روادار نہیں۔ بلاشبہ یہ صورتحال جاں بلب امت مرحومہ کے لئے کسی طرح بھی نیک شگون نہیں۔ معاشرے کا عام فرد جو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں زندگی بسر کرنے کا متمنی ہے عجیب اضطرابی کیفیت سے دوچار ہے اور اس الجھاؤ کا شافی کافی جواب چاہتا ہے۔

چونکہ عوام الناس لمبے چوڑے بحث مباحثے، ثقیل علمی اصطلاحات اور دلائل و براہین کے انبار کی بجائے عقل و شرع کی روشنی میں سیدھے سادے طریقے پر تلاشِ حق کے متلاشی ہوتے ہیں چنانچہ ہم نے کسی فریق کا نام لئے بغیر عام فہم اور مثبت انداز فکر سے ان چار بنیادی مسائل کو موضوع سخن بنایا ہے جن کے اثبات و نفی اور حد سے تجاوز کے نتیجے میں مذکورہ دو گروہ وجود میں آئے ہیں۔ اگرچہ ان مسائل کے علاوہ اور مسائل بھی ہیں لیکن وہ یا تو وہ اس قدر اہم نہیں یا پھر انہی چار مسائل میں سے کسی کے ذیل میں آ جاتے ہیں اور ان کے تصفیے سے ان کا تصفیہ بھی ہو جاتا ہے وہ چار

مسائل مندرجہ ذیل ہیں:

1) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نور ہیں یا بشر.... ؟

2) آپ ﷺ عالم الغیب ہیں یا نہیں ؟

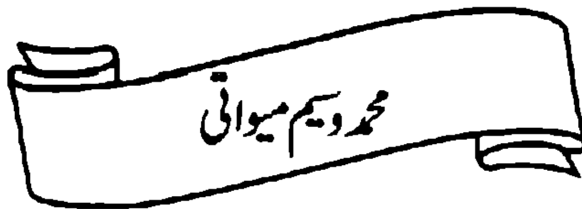
3) آپ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یا نہیں ؟

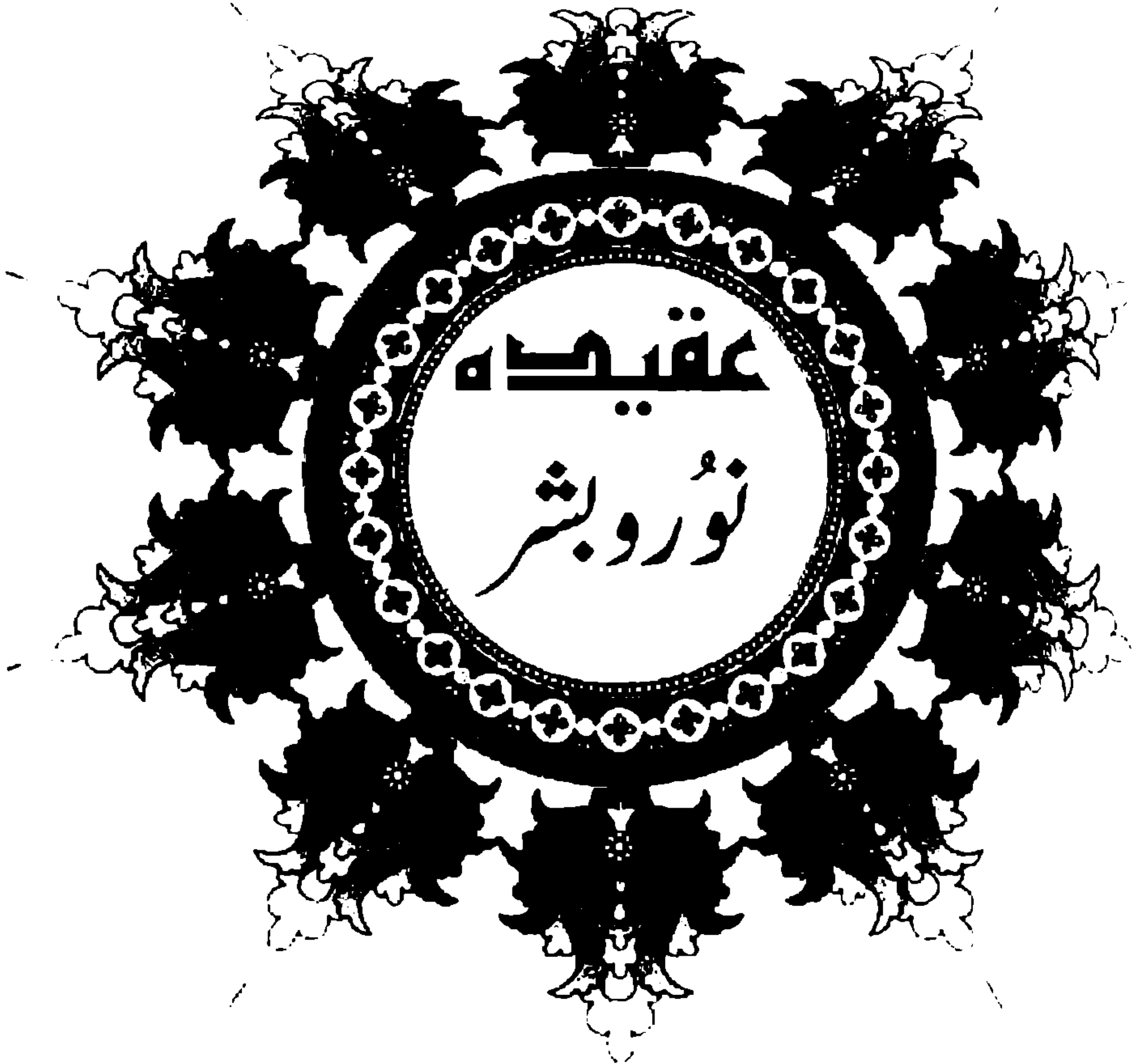
4) آپ ﷺ مختار کل ہیں یا نہیں ؟

ہر چند کہ دیوبندی، بریلوی اختلافات اس قدر سنگین نہیں جو حل نہ کیے جا سکیں تاہم اس کے لیے خلوص نیت، رواداری، صحیح و غلط میں تمیز کرنے کی صلاحیت اور عقیدت کی بجائے حقیقت سے کام لینا پڑے گا۔ اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ جب تک یہ مسائل علمی مباحثوں اور کتابوں تک محدود تھے معاملہ اعتدال پر تھا لیکن اب یہ علمی مباحث باہمی جنگ و جدال کی صورت اختیار کر چکے ہیں اور ایک سادہ لوح مسلمان بھی ان سے براہ راست متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چار و ناچار ہر پبلک مقام، بسوں، چوکوں اور چوپالوں غرض جہاں دو آدمی اکٹھے ہوں مناظرہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی بنیاد محض سنی سنائی باتوں پر ہوتی ہے۔ ایک ہی گھر کے مختلف افراد کا باہم دست و گریباں ہونا اور اس پر مستزاد بے علمی کی وجہ سے واہی تباہی پر اتر آنا، سامنے والے کو نیچا دکھلانے کے لئے ہر جائز و ناجائز حربہ اختیار کرنا اور بے سروپا الزام تراشیاں کرنا کسی طور پر درست نہیں اور نہ ہی شرعاً و اخلاقاً اس کی تحسین کی جا سکتی ہے۔ ایک سچے مومن کی یہ علامت ہے کہ اللہ کو اللہ اور رسول ﷺ کو رسول ﷺ کا درجہ دے۔ اس سے یہ مسائل خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

زیر نظر کتاب کی نمایاں خصوصیت واضح اور سنجیدہ طرز اسلوب ہے جس میں قلت ابواب اور

اسرائیلی روایات سے احتراز کرتے ہوئے قرآن وسنت، فقہائے احناف کے مسلک اور عقل وقیاس کی روشنی میں راہِ حق وہدایت متعین کرنے کی منصفانہ ومخلصانہ کوشش کی گئی ہے۔ اول تا آخر نہ کسی پر طعن وتشنیع ہے اور نہ ہی تنقیص کا کوئی پہلو کیونکہ مدمقابل کا احترام اس کے دل کو جیتنے کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ کسی بھی کتاب کو پڑھنے کا ایک طریقہ تو یہ ہوتا ہے کہ آپ ایک عقیدہ ونظریہ بنا کر اس کو پڑھیں اور جو بات بھی سامنے آئے اسے اپنے زاویہ نظر سے پرکھیں اس سے آپ کو وقت کے ضیاع کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ جبکہ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے قلب وذہن کو ہر قسم کے تعصبات سے خالی رکھتے ہوئے غیر جانبدارانہ طرز پر کتاب کا مطالعہ کریں اور جو بات صحیح اور مضبوط دلائل پر مبنی ہو، اسی کو حق مان کر خوش دلی سے قبول کرتے ہوئے اسی کے مطابق اپنا عقیدہ ونظریہ تشکیل دیں یہی کامیاب طریقہ وطرزِ عمل اور اہلِ عقل ودانش کے نزدیک حصولِ حق وصداقت کا ضامن ہے۔




عقیدہ
نور و بشر

نور کا مفہوم:

نور کا مطلق معنی روشنی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا نور ازلی وابدی ہے جو اس کی ایک صفت ہے اور اسی کی شان کے لائق ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ 1

''اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کا نور ہے''۔

خود کلام پاک کی شان میں وارد ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا﴾ 2

''اور ہم نے تمہاری طرف کھلا ہوا نور اتارا ہے''۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کے مقصدِ بعثت کے بعد فرمایا۔

﴿وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا﴾ 3

''آپ (ﷺ) اللہ کی طرف پکارنے والے ہیں، اسی کے حکم سے اور چراغِ روشن ہیں''۔

اللہ تعالیٰ بندۂ مومن کو ایمان لانے کی وجہ سے کفر سے نکال کر نورِ ایمانی میں داخل کر دیتا ہے:

﴿یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ 4

''اللہ اہل ایمان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے''۔

کائنات میں صرف تین اقسام کی مخلوق پائی جاتی ہیں۔ 1 نوری 2 ناری 3 خاکی۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے ''فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں، جن

---

1 سورۃ نور آیت35 2 سورۃ النساء آیت174

3 سورۃ احزاب آیت46 4 سورۃ البقرۃ257

آگ کے شعلے سے اور آدم (علیہ السلام) مٹی سے'' ۔1

یہاں تک تفصیل سے معلوم ہوا کہ ''نور'' ایک مشترک لفظ ہے جس کے کئی معانی ہیں۔ ہر ایک نسبت کے لحاظ سے اس کے معنی مختلف ہوں گے۔

اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نور ہے بلکہ جنس نور، کیونکہ نور اس کا خاصہ اور ازلی صفت ہے۔ قرآن بھی نور ہے لیکن نور ہدایت، مومن بھی نور ہے لیکن بحیثیت نور ایمان اور رسول اللہ ﷺ بھی نور ہیں لیکن یہ نور نبوت کے اعتبار سے ہے نہ کہ جنس نور۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ اپنی ذات مبارکہ کے لحاظ سے نہ صرف نوع بشر میں داخل ہیں بلکہ آپ کا افضل البشر، سید البشر اور اکمل البشر ہونا ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ آپ ﷺ نوع انسانی کے سردار اور حوا و آدم علیہما السلام کے لئے سرمایہ صد افتخار ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ انسان ہی اشرف المخلوقات اور کائنات میں سب سے افضل و برتر ہے کلام پاک نے اسے ﴿اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾2 ''بہترین صورت والا'' سے تعبیر کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿انا سید ولد ادم یوم القیامۃ﴾3 ''بروز قیامت میں اولاد آدم کا سردار ہونگا''۔

حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے پہلے بشر، انسان اور آدمی ہیں حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاء کرام کی خلقت اور

---

1 مسلم شریف جلد2 صفحہ413 　 2 سورہ تین آیت4

3 مسلم جلد2 صفحہ511

پیدائش مٹی سے ہوئی ہے جس میں شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہے لہٰذا حضور ﷺ کا بشر، انسان اور آدمی ہونا نہ صرف آپ ﷺ کے لیے طرۂ امتیاز اور کمال شرف ہے بلکہ آپ ﷺ کے بشر ہونے سے بشریت و انسانیت رشکِ ملائکہ بنتی ہے۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ بشر، آدمی اور انسان یہ تمام الفاظ ہم معنی و مترادف ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس مٹی سے بنے انسان کو زمین پر اپنی خلافت و نیابت کے لئے چنا ہے اور نوری مخلوق (ملائکہ) کو اس کے آگے جھکا کر اس کے مقام و مرتبہ کو بڑھا دیا گیا ہے۔ معصوم فرشتوں نے بھی بحکم خداوندی بشر کو سجدہ کر کے اس کی برتری و فوقیت اور فضیلت کا اقرار کیا ہے معلوم ہوا کہ بشر کو اعلیٰ شان کا سمجھنا فرشتوں اور فرشتہ صفت لوگوں کا کام ہے۔

اب جو لوگ نبی کریم ﷺ کو ''نورانی مخلوق'' کے زمرے میں گردانتے ہیں وہ نادانستگی میں ایک طرح سے آپ ﷺ کا درجہ گھٹا رہے ہیں اور پھر یہ بات خلاف عقل ہوگی کہ انسان تمام مخلوقات سے افضل بھی ہو اور اس میں رسالت و نبوت کی اہلیت بھی نہ ہو۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ بشر اوّل یعنی اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کی بشریت و آدمیت کی تحقیر سب سے پہلے ابلیس نے کی اور یہی بات اس کے لئے سجدۂ تعظیمی میں رکاوٹ بنی۔

سابقہ قوموں کا نکتۂ اعتراض:

اگر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کرتے ہوئے پچھلی امتوں کے حالات و واقعات پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ دعوتِ توحید کے مخالفین اور مشرکین کا پہلا اعتراض انبیاء کرام علیہم السلام کی بشریت پر ہی ہوا ہے۔ یہ بات کبھی ان کی سمجھ میں

نہیں آئی اور اسی وجہ سے انہوں نے ہمیشہ قبول حق کی راہ میں زبردست ٹھوکر کھائی کہ کوئی بشر، بشر ہو کر بھی رہنمائے بشر اور فرستادۂ الٰہی کیسے ہوسکتا ہے.....؟ وہ اپنے پیغمبروں سے اصل مقابلہ اسی محاذ پر کرتے رہے اور اسی کے انکار و تردید میں لگے رہے کہ ہم اپنے ہی جیسے فرد کو رسول کیونکر مانیں..... ؟ ہم میں اور ان میں کچھ تو فرق ہونا چاہیے۔ نبوت و رسالت جیسا فضل و کمال بھلا بشر کو کیسے اور کیونکر نصیب ہوسکتا ہے ؟ ان کے خیال میں اللہ کا نبی کوئی مافوق الفطرت ہستی یا منبع نور ہونا چاہیے تھا۔

مشرکین اور مخالفین عقیدتاً حضور ﷺ کو بشر مانتے تھے کیونکہ بی بی آمنہ کے لعل (ﷺ) نے انہی کے سامنے مکہ میں پرورش پائی پھر مدینے ہجرت کی البتہ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ترجمانی کے لئے کسی بشر کو منتخب فرما کر اس کے سر پر تاج نبوت کس طرح سجادیا ہے.....؟

فرق صرف اتنا ہے کہ کفار کہتے تھے کہ بشریت رسالت کے منافی ہے اور آج ناسمجھ لوگ کہتے ہیں رسالت بشریت کے منافی ہے۔ بہر حال اس حد تک دونوں متفق ہیں کہ بشریت و رسالت کا اجتماع ناممکن ہے۔ حالانکہ بشریت و رسالت کا اجتماع نہ صرف عین ممکن بلکہ ایک حقیقت واقعہ ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں۔

اصل میں مسلمان جس قدر اسلامی احکام اور علمی مجالس سے دور ہوتے جارہے ہیں جہالت دلوں میں گھر کرتی جارہی ہے اور بے دینوں کے عجیب ماورائے عقل افسانے عقیدے کی بنیاد بنتے جارہے ہیں۔ حالانکہ عقیدت اور عقیدے میں تمیز ضروری ہے۔ اب تو لوگوں کا عقیدہ بن گیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام حدود بشریت سے متجاوز ہوکر مرتبہ الوہیت نہ سہی اس کے قریب تو ضرور پہنچ گئے تھے اور خیر سے انبیاء کا درجہ تو پھر بلند ہے خوش عقیدگی کے غلو میں ہر ولی و بزرگ کو بشری تقاضوں سے ماورا سمجھا جانے لگا

ہے گویا کہ وہ ایسی شئے نہیں کہ بھوک و پیاس انہیں ستائے، سردی و گرمی سے متاثر ہوں، کسی پر غصہ کریں، ڈریں یا بھاگیں یا کوئی شئے ان کے احاطۂ علم سے باہر ہو یہ عقائد شریعت اسلامی کے سراسر خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام کو محض بشر بنا کر بھیجا ہے اور اپنے کلام میں ان کی بشریت کے ایک ایک جز کو نمایاں کیا ہے۔

قرآن انبیاء علیہم السلام کو بشر کہتا ہے یا نور......؟

آنحضرت ﷺ کے بشر ہوتے ہوئے رسول ہونے کا انکار سب سے پہلے ولید بن مغیرہ نے کیا:

﴿ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ ﴾ 1

''کچھ نہیں یہ تو ایک آدمی کا کہا ہوا ہے''۔

اللہ نے سزا کے طور پر فرمایا کہ تجھے اس گستاخی کے سبب جہنم رسید کیا جائے گا۔

جب مشرکین مکہ کو آنحضرت ﷺ کی دعوت حق کے مقابلے کی سکت نہ رہی تو خفیہ پلاننگ شروع کردی۔ انکی ''بند کمرہ میٹنگ'' کا بھی بنیادی نکتۂ اعتراض آپکی بشریت پر ہی تھا:

﴿ وَاَسَرُّوا النَّجۡوَى ۔۔۔ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ ﴾ 2

''اور چھپ کر سرگوشی کی بے انصافوں نے کہ یہ شخص تو محض ایک آدمی ہی ہے''۔

یہود نے مشرکین نے آنحضرت ﷺ کے ذریعے روح، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں کل جواب دوں گا لیکن انشاء اللہ کہنا بھول گئے (اور بھول بشریت کا خاصہ ہے) لہٰذا چند روز

---

1 سورہ مدثر آیت25 2 سورہ انبیاء آیت3

سلسلۂ وحی منقطع رہا اور مشرکین نے طرح طرح کی چہ مگوئیاں شروع کر دیں پھر آپ ﷺ کو ارشاد ہوا کہ مشرکین کو یوں جواب دیجئے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ 1

"آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ میں بھی ایک بشر ہوں جیسے تم ہو"۔

یعنی مجھ میں بھی تمام لوازمات بشریہ پائے جاتے ہیں جیسے تم میں ہیں ہاں میرا اور تمہارا فرق یہ ہے کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی نازل کی جاتی ہے جس کی بدولت میرا مقام و مرتبہ بہت بلند ہو گیا ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ یہود بھی کتب سابقہ کی پیشگوئی کے مطابق آپ ﷺ کو بشر ہی مانتے تھے مگر آج ہمارے عقلوں پر "نورانی پردہ" پڑ چکا ہے۔

قرآن پاک نے پچھلی قوموں کی حکایتیں دہرا دہرا کر نقل کی ہیں کہ ان کے نزدیک بشریت رسالت و نبوت کے منافی تھی اور ہر دور کے مشرکین بار بار یہی سوال اپنے انبیاء کرام علیہم السلام سے کرتے رہے ایک مقام پر اللہ تعالیٰ پچھلی قوموں پر آنے والے عذاب کی وجہ یوں بیان فرما رہے ہیں:

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ ... فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا 2

"یہ (عذاب) اس لئے ہوا کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلی ہوئی نشانیاں لیکر آتے تو یہ کہتے لگے کہ کیا ہماری ہدایت ایک بشر کریگا سو انہوں نے اس سے انکار کیا اور روگرداں رہے"۔

معلوم ہوا کہ نزول قرآن سے قبل جتنی کافر قومیں گزری ہیں ان سب نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی بشریت کا انکار کیا ہے، قرآن کی رو سے چند انبیاء کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم آپ کو بشر ہونے کی وجہ سے رسول ماننے پر تیار نہیں تھی:

---

1 سورہ کہف 110   2 سورہ تغابن آیت 6

﴿مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ 1

''تم اور کیا ہو سوائے اس کے کہ ہماری طرح ایک بشر ہی ہو''۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم بھی اسی بے ادبی سے اپنے نبی سے مخاطب ہے:

﴿وَمَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ 2

''اور تم ہم جیسے ایک بشر ہی تو ہو''۔

حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کو کھانے پینے اور بازار میں چلنے پھرنے والے گوشت پوست کے انسان کا نبی ہونا گراں معلوم ہو رہا ہے:

﴿مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ﴾ 3

''اور کچھ نہیں یہ تو بس ایک آدمی ہے جیسے تم۔ جس طرح تم کھاتے پیتے ہو اسی طرح یہ بھی کھاتا پیتا ہے''۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بشر کے نبی ہونے کی انکاری ہے اور متمنی ہے کہ ملائکہ (نوری مخلوق) کو نبی بنا کر بھیجا جائے تو ہم مانیں گے:

﴿مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً﴾ 4

''یہ شخص تو بس تم جیسا ایک بشر ہی ہے چاہتا یہ ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے اور اگر اللہ چاہتا تو ہم پر ملائکہ نازل فرما دیتا''۔

حضرت موسیٰ وھارون علیہما السلام کا بشر ہونا ہی قوم فرعون کے قبول حق میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی:

﴿فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا﴾ 5

''پس وہ بولے کہ کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں''۔

---

1 سورہ شعراء آیت154 — 2 سورہ شعراء آیت 186

3 سورہ مومنون آیت33 — 4 سورہ مومنون آیت24

5 سورہ مومنون آیت47

الغرض نوح علیہ السلام سے لیکر آنحضرت ﷺ تک حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی بشریت کا انکار کافروں اور مشرکوں کا مشترکہ فعل رہا ہے تمام قوموں نے اسی تکذیب وانکار، تمسخر واستہزاء کا اعادہ کیا اور اپنے انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ پوچھتے رہے کہ ایک بشر کو کیونکر ہادی ورہنما بنا کر بھیجا جا سکتا ہے......؟ کلام پاک میں بے شمار برگزیدہ انبیاء کرام کے ذکر کے بعد ان کے امتیوں کی طرف سے ہونے والے اعتراض کو یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ 1

''پس وہ کہنے لگے تم کیا ہو سوائے اس کے کہ ہم ہی جیسے انسان تو ہو''۔

اس بے مقصد اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے علی الاعلان کہلوایا کہ بشر ہونا کوئی عار وعیب کی چیز نہیں، جس سے تم گھبرا رہے ہو:

﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ 2

''اور انہیں ان کے رسولوں نے جواب دیا ہم تو بس آدمی ہیں جیسے تم ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے''۔

جو لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے بشر ہونے کو خلافِ عقل سمجھتے ہیں اللہ انہیں تنبیہ کرتا ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے انسان ہی کو مامور کرنے میں تعجب نہ کیا جائے:

﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾ 3

''کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک مرد پر وحی بھیجی ہے''۔

---

1 سورہ ابراھیم آیت 10 2 سورہ ابراھیم آیت 11

3 سورہ یونس آیت 2

ایک اور مقام پر تاکید سے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی حماقت سے اپنے ہی خاندان اور اپنی ہی جنس کے ایک آدمی کو رسول بنائے جانے پر بجائے فخر کے حیران و پریشان کیوں ہیں...؟

﴿بَلْ عَجِبُوٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ﴾1

''بلکہ یہ تعجب میں پڑے ہیں کہ ڈر سنانے والا (رسول) انہی میں سے کیونکر آیا''۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے مخاطب ہے کہ اے ناقدر انسانو.....! تمہیں اللہ تعالیٰ کے وقار اور جلالت شان کا لحاظ اور خوف بھی نہیں کہ ایک طے شدہ بات میں بھی بلاوجہ جھگڑ رہے ہو:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ﴾2

''اور انہوں نے اللہ کو نہیں پہچانا جو اسکے پہچاننے کا حق تھا جب یہ کہنے لگے کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نہیں اتاری''۔

معلوم ہوا کہ اللہ کی معرفت کا ذریعہ بھی یہی ہے کہ انبیاء کرام کو بشر تسلیم کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ہوتے وقت آدمی کلمۂ طیبہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کے بندے اور رسول ہونے کی گواہی بھی دیتا ہے ورنہ اس کا ایمان ہی کامل نہ ہوگا۔

تصویر کا دوسرا رُخ:

یہاں تک تو قرآن پاک کی رو سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور خاص کر آنحضرت ﷺ کے بشر ہونے کی تحقیق ہوئی اب ذرا دوسرا رخ بھی دیکھئے۔ بعض

---

1 سورۂ ق آیت:2 2 سورہ انعام آیت:91

لوگوں کا کہنا ہے کہ حضور ﷺ خدا کے ''نور'' میں سے ہیں جو لباسِ بشریت میں جلوہ گر ہوئے:

خدا کہتے ہیں جسکو مصطفیٰ معلوم ہوتا ہے
جسے کہتے ہیں بندہ خود خدا معلوم ہوتا ہے

اور بعض ناسمجھ افراد تو دو ہاتھ آگے بڑھ کر بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ ''احد'' اور ''احمد'' میں صرف میم کا پردہ ہے ورنہ نبی خود خدا ہے جو میم کا برقعہ اوڑھ کر مدینہ کی گلیوں میں آیا ہے:

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہوکر
اتر آیا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہوکر

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''نُـوْرٌمِـنْ نُـوْرِ اللہ'' (اللہ کے نور کا ٹکڑا) کہنا یہ ہو بہو وہی عقیدہ ہے جو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رکھتے ہیں جبکہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو پہلے کافر قرار دیا پھر انکا باطل عقیدہ نقل فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾[1]

''تحقیق وہ لوگ کافر ہوئے جنھوں نے یوں کہا کہ اللہ عیسیٰ بن مریم میں حلول کر گیا ہے''۔

خدا اور بندۂ خدا کو ایک کہنا، خالق و مخلوق، عابد و معبود، مالک و مملوک کو خلط ملط کر دینا اس سے زیادہ بیہودہ اور لغو بات اور کیا ہوگی ؟ یہ ہرگز محبت کا مفہوم نہیں بلکہ سراسر غلو ہے اور غلو اگر چہ دین میں ہو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ فعل ہے۔ آنحضرت ﷺ کی تعلیم ہر عمل میں میانہ روی کی ہے۔ ''عشق

1 سورہ مائدہ آیت 72

رسول ﷺ'' کے عنوان سے اس قدر غلو کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے مرتبے میں کوئی تمیز باقی نہ رہے شریعت اسلامی میں اس کی بالکل اجازت نہیں۔ فریق ثانی سے سوال یہ ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ خود خدا تھے اور میم کا برقعہ اوڑھے مدینے کی گلیوں میں گھومتے تھے تو معراج کس کو ہوا یا یہ افسانہ ہے ؟؟ اسی طرح حضور ﷺ کے نکاح بھی ہوئے اولادیں بھی ...!! کیا خدا کی بھی کوئی اولاد یا رشتہ دار ہے......؟ آپ ﷺ کا نسب نامہ صحیح روایات سے اکیس پشتوں تک انسانوں میں ثابت ہے۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کو بخار و درد، خوشی وغمی ہر طرح کے احوال سے واسطہ پڑا اور اس سے آپ پر کوئی طعن وعیب نہیں بلکہ قرآن پاک کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ غم وحزن، صدمہ وملال، ناگواری وخوشگواری، مسرت وانبساط جس طرح ہر فرد بشر کی زندگی کا لازمی جز ہیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ان سے ماورا نہیں بلکہ ان میں وہ عام انسانوں کے شریک اور انہی کے مثل ومماثل نظر آتے ہیں البتہ درجات کا فرق اپنی جگہ ہے۔ بہرحال یہ لوگ اپنی کورفہمی سے پہلے تو اللہ کی تجسیم (صاحب جسم ہونا) کے قائل ہوئے پھر نعوذ باللہ خدا کے ٹکڑے بنائے پھر ان ٹکڑوں میں نبی ﷺ کو لے آئے پھر خدا کو برقعہ اوڑھوایا۔ کم از کم اہل ایمان سے اس قسم کے باطل وفرسودہ عقائد رکھنے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ شریعت اسلامیہ سادہ اور عام فہم ہے جس میں ناقابل فہم، خلاف عقل اور غیر منطقی و باطل عقائد کی کوئی گنجائش نہیں۔

پیغمبر کون ہوتے ہیں......؟

اللہ پاک اپنے کلام میں ایک اصول وضابطہ بتلاتے ہیں کہ ہر دور اور ہر علاقے میں جو پیغمبر بھیجے گئے ہیں اول تو وہ بشر تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ مرد تھے۔ گویا کسی نبی کی

نبوت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو بہ یک وقت بشر اور رسول تسلیم کیا جائے اور یہی بات ناسمجھوں کے لئے ہمیشہ معمہ بنی رہی ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ ...... اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [1]

''اور آپ (ﷺ) سے پہلے بھی ہم نے یہی مرد پیغمبر بنا کر بھیجے تھے جن کی طرف وحی بھیجتے تھے اگر تمہیں معلوم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو''۔

یعنی اپنے سے پہلی آسمانی کتب والوں سے پوچھ لو کہ ان کے پیغمبر بشر تھے یا کچھ اور......؟ اگر وہ بھی بشر تھے، جیسا کہ ثابت ہے تو پھر ضد بیکار ہے۔

آنحضرت ﷺ کو نور ماننے کا نقصان:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی پیغمبر اپنی صداقت کے نشان دکھلانے میں پبلک کی خواہشات کا پابند نہیں ہوتا اور نہ ہی خود کو ضروریات بشریہ اور تعلقات معاشرت سے پاک اور برتر ظاہر کرتا ہے لہٰذا ان چیزوں کا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ میں پایا جانا باعثِ حیرت کیوں ہے؟

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً [2]

''اور تحقیق آپ (ﷺ) سے پہلے ہم کتنے ہی رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے سب کو بیوی بچوں والا بنایا تھا اور کسی رسول کیلئے ممکن نہیں کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی لے آتے''۔

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو نور ماننے سے آپ کے خاندان و قبیلے کا انکار لازم آتا ہے۔

مشرکین کے زعم میں بشریت و پیغمبریت کا اجتماع ناممکن ہے یہ دعویٰ ہمارا خانہ ساز نہیں بلکہ اللہ جل جلالہ نے نقل فرمایا ہے کہ یہ لوگ بشر کو پیغمبر اسلام کے روپ میں

---

1 سورہ انبیاء، آیت 7   2 سورہ رعد آیت 38

دیکھنے کے قطعاً روادار نہ تھے:

﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ ...... اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾[1]

''اور جس وقت لوگوں کے پاس ہدایت آئی تو ان کے ایمان لانے سے صرف یہی ایک بات مانع ہوئی کہ انہوں نے کہا، کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔''

معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کے ایمان لانے میں ان کا یہی نظریہ رکاوٹ تھا کہ کسی بشر کو رسالت کیوں کر مل سکتی ہے......؟

معراج کی جزئیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نوری مخلوق کا سردار، پیکرِ نور (حضرت جبرئیل علیہ السلام) آنحضرت ﷺ کا خادم ہو کر عرض گزار ہے کہ مجھے ایک قدم بھی آگے جانے کی اجازت نہیں لیکن بشرِ اعظم ﷺ کی پرواز سب سے بلند ہے۔ پھر اس واقعہ کو شروع بھی ''بندے'' سے کیا جا رہا ہے کہ کہیں لوگ یہاں بھی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا﴾[2]

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات سیر کرائی''۔

جب سفرِ معراج کے منکرین نے فرمائش کی کہ آپ (ﷺ) ہمارے سامنے آسمان سے کتاب لے آئیں تو اللہ کی طرف سے سردار انبیاء ﷺ کو ارشاد ہوا کہ آپ ان کے سامنے برملا اپنی بشریت کا اعلان کیجئے:

﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾[3]

''آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ میرا اللہ پاک ہے میں تو

صرف ایک انسان ہی ہوں جو رسول بنایا گیا ہوں''۔

ذرا غور کریں اگر حضرات انبیائے کرام بالخصوص حضرت محمد ﷺ کو بشر کہنے میں

---

1 سورہ بنی اسرائیل آیت 94 　 2 ... سورہ بنی اسرائیل آیت 1

3 سورہ بنی اسرائیل آیت 93

بے ادبی اور توہین کا ادنیٰ سا شائبہ بھی پایا جاتا تو اللہ تعالیٰ کبھی آپ ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم نہ دیتا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو پیشگی اطلاع فرمادی ہے کہ ناواقف لوگ بعد میں آپ کو "نورٌ من نور اللہ" کہیں گے لہٰذا آپ ﷺ ابھی سے یہ بات کھول کر سمجھا دیں کہ میں تمہاری ہی طرح کا ایک بشر ہوں لیکن میری فضیلت وبرتری کا معیار یہ ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے۔ لہٰذا لوگوں کا یہ نظریہ سو فیصد غلط ہے کہ اللہ کا رسول کوئی دیوتا یا الوہیت (خدائی) کا مالک ہوتا ہے۔

بشریتِ انبیاء علیہم السلام عقل کی میزان میں:

چونکہ زمین کی خلافت و نیابت انسان کے حوالے کی گئی ہے اس لیے حکمت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ انسانوں کی اصلاح اور رشد و ہدایت کے لئے انسان اور بشر ہی رسول بنایا جائے۔ کیونکہ یہ ایک فطری امر ہےکہ دوسروں کی بہ نسبت اپنے جانے پہچانے آدمی پر زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے اور یہ شخص بھی اپنی قوم کی پوری نفسیات سے واقف ہونیکی بنا پر انکے جذبات وخیالات کی زیادہ رعایت رکھ سکتا ہے۔

اگر زمین پر ملائکہ بستے تو اللہ تعالیٰ نبی بھی انہی کی جنس سے بھیجتے لیکن یہاں تو انسان بستے ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ سے پہلے نبیوں کو بھی انسانوں میں سے چنا ہے بفرضِ محال اگر لوگوں کی طفلانہ خواہش کے مطابق فرشتوں کو نبی بنا کر بھیج دیا جائے تو لوگ ان کی اصلی حالت دیکھنے کی تاب بھی نہ لاسکیں گے اور اگر وہ انسانی روپ میں آئے تو وہی پرانا اعتراض ہوگا۔ [1]

دوسری بات یہ کہ اس صورت میں یہ خرابی بھی لازم آئے گی کہ وہ کھانے پینے اور شادی واولاد وغیرہ سے پاک ہوں گے پھر اگر وہ روزے یا شادی وغیرہ کا حکم دیں تو امت کہے گی کہ خود تو کھانے سے پاک ہے ہمیں بھوکا مرواتا ہے۔ اسے شادی کی

1 سورہ انعام آیت 9

ضرورت نہیں اور ہمیں شادی بیاہ اور نکاح کا حکم دیتا ہے الغرض دین کی عملی صورت سامنے نہ آسکے گی لیکن حضور ﷺ نے روزہ رکھ کر دکھلایا، شادیاں کر کے دکھلائیں۔ آپ ﷺ کو بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے حتی کہ زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق بذات خود عمل کر کے دکھلایا اور آپ ﷺ ہی کی پیروی میں ہم کھانے پینے، سونے جاگنے، سلام وکلام، بیوی بچوں سے پیار، وضو، نماز اور روزے وغیرہ کی بے شمار سنتوں پر عمل کرتے ہیں اگر حضور ﷺ بشر و انسان نہیں تھے تو پھر یہ سنتیں کس نے سکھلائی ہیں ......؟ ''اہلسنت'' ہونے کے دعویدار اس امر پر بھی دھیان دیں کہ یہ سنتیں کہاں سے آئیں، کس نے سکھلائیں ......؟

احادیثِ طیبہ اور عقیدۂ نور و بشر

چونکہ تمام مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید کے بعد نبی کریم ﷺ کی احادیث کا مقام و مرتبہ ہے لہٰذا جب ہم ذخیرۂ احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے واضح اور دوٹوک الفاظ میں اپنی بشریت کو فخریہ طور پر بیان فرمایا ہے۔

بشری جذبات میں ایک جذبہ غصہ یا غضب کا بھی ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام گو بڑے حلیم اور نرم دل ہوتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سرے سے ان میں قوت غضبی ہی نہیں ہوتی بلکہ دوسرے انسانوں کی طرح انہیں بھی غصہ آتا ہے البتہ بے جا اور خواہ مخواہ نہیں بلکہ اپنے محل پر ہی آتا ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

☆ اللھم انما محمد بشر یغضب کما یغضب البشر [1] ''اے اللہ! محمد (ﷺ) بھی ایک بشر ہی ہیں ان کو بھی غصہ آتا ہے جس طرح اور انسانوں کو آتا ہے۔''

---

1 بخاری شریف جلد1 صفحہ58، مسلم شریف جلد1 صفحہ213

بشریت کے اہم ترین لوازم میں سے ایک یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اس دنیا میں غیر فانی نہیں۔ دوسرے الفاظ میں بشریت، عبدیت اور مخلوقیت کا سب سے بڑا مظہر موت ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

☆ألا ایھا الناس فانما انا بشر یوشک ان یاتی رسول ربی فاجیب.1

''اے لوگو سنو! پس میں بھی ایک انسان ہی ہوں قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد یہاں سے کوچ کا پیغام لے کر آئے تو میں لبیک کہوں۔

جو امور طبعی طور پر بشر کے لئے لازمی ہیں خواہ جسمانی ہوں یا عقلی، انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ان سے کہیں بھی نفی نہیں کی گئی اگر پیغمبروں کو ان سے یکسر محفوظ بنایا جاتا تو لوگوں پر حجت قائم نہ ہوتی۔ بھول بھی بنی آدم کا خاصہ ہے جو ابوالانبیاء حضرت آدم علیہ السلام میں بھی پایا گیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ سے نماز میں کمی بیشی ہوگئی پھر آپ ﷺ نے سجدۂ سہو کر کے ارشاد فرمایا:

☆انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون فاذا نسیتُ فاذکرونی.2

''میں بھی تم جیسا ایک انسان ہی ہوں میں بھی بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاددلادیا کرو۔

گزشتہ رسولوں کے دور میں ان کی امتوں نے ان رسولوں کی حیثیت بڑھا چڑھا کر خدا کے برابر کردی تھی اسی لیے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کو پہلا کلمہ

---

1 مسلم شریف جلد2صفحہ279، مسند احمد جلد4صفحہ376

2 بخاری شریف جلد1 صفحہ58

ہی وہ پڑھایا گیا ہے جس میں مسلمانوں کو باور کرادیا کہ حضرت محمد ﷺ صرف اور صرف اللہ کے رسول ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے غلو اور حد سے تجاوز کرنے کے اندیشے کے پیش نظر اپنی امت کو یہ تعلیم فرمائی:

''میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرنا جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہ انہیں عبدیت سے نکال کر خدا اور اس کا بیٹا بنا ڈالا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں مجھے اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہنا''۔1

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''حضور ﷺ اپنے گھر میں اسی طرح کام کیا کرتے تھے جس طرح تم اپنے گھر میں کام کرتے ہو۔ اپنی جوتیاں خود سی لیتے، کپڑے خود دھو لیتے اور اپنی خدمت آپ کیا کرتے تھے اور فرمایا کہ حضور ﷺ آدمیوں میں سے ایک آدمی ہی تھے''۔2

واضح ہوا کہ آپ ﷺ کو بشر کہنا آپ کی تعظیم جبکہ آپ ﷺ کی بشریت کو حقارت سے دیکھنا آپ ﷺ کی توہین ہے۔

جوتی سینا، کپڑے دھونا یہ انسان کے کام ہیں یا کسی اور کے..... ؟ اور پھر یہ تضاد خیالی کیسی کہ ایک طرف تو آپ کے نور ہونے کا دعویٰ ہے اور دوسری طرف ''میلاد شریف'' بھی منائی جارہی ہے کیا کسی کو کسی نوری مخلوق کی ولادت کا علم بھی ہے ؟ کوئی بتلا سکتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کی ولادت کب ہوئی..... ؟

فقہائے احناف اور عقیدۂ نور و بشر

فقہائے کرام وہ محتاط طبقہ ہے جو جناب رسول کریم ﷺ کی ادنیٰ سے ادنیٰ توہین

---

1 بخاری شریف جلد2 صفحہ1009 2 شمائل ترمذی صفحہ295

کو بھی صریح الفاظ میں کفر کہتا ہے۔ مگر وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور بالخصوص حضرت محمد ﷺ کو واضح الفاظ میں انسان اور بشر تسلیم کرتا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بشر کی تین قسمیں ہیں خواص جیسے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، درمیانے قسم کے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عوام جس طرح دیگر لوگ۔

اہلسنت والجماعت کے عقائد کی مشہور کتاب میں رسول کی تعریف اس طرح ہے:

☆انسان بعثہ اللہ تعالیٰ الی الخلق لتبلیغ الاحکام۔[1] ''رسول وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے احکامات بندوں تک پہنچانے کے لئے بھیجتا ہے''۔

فقہ حنفی کی معروف کتاب میں ہے:

''جو شخص یوں کہے کہ میں نہیں جانتا کہ حضور ﷺ انسان تھے یا جن، وہ مسلمان نہیں کیونکہ آپ ﷺ کے بشر ہونے کا اقرار وعقیدہ ضروریات دین میں سے ہے جس کا معلوم کرنا ضروری ہے آپ ﷺ کی بشریت سے انکار اسلام سے انکار کے مترادف ہے''۔[2]

خلاصۂ کلام:

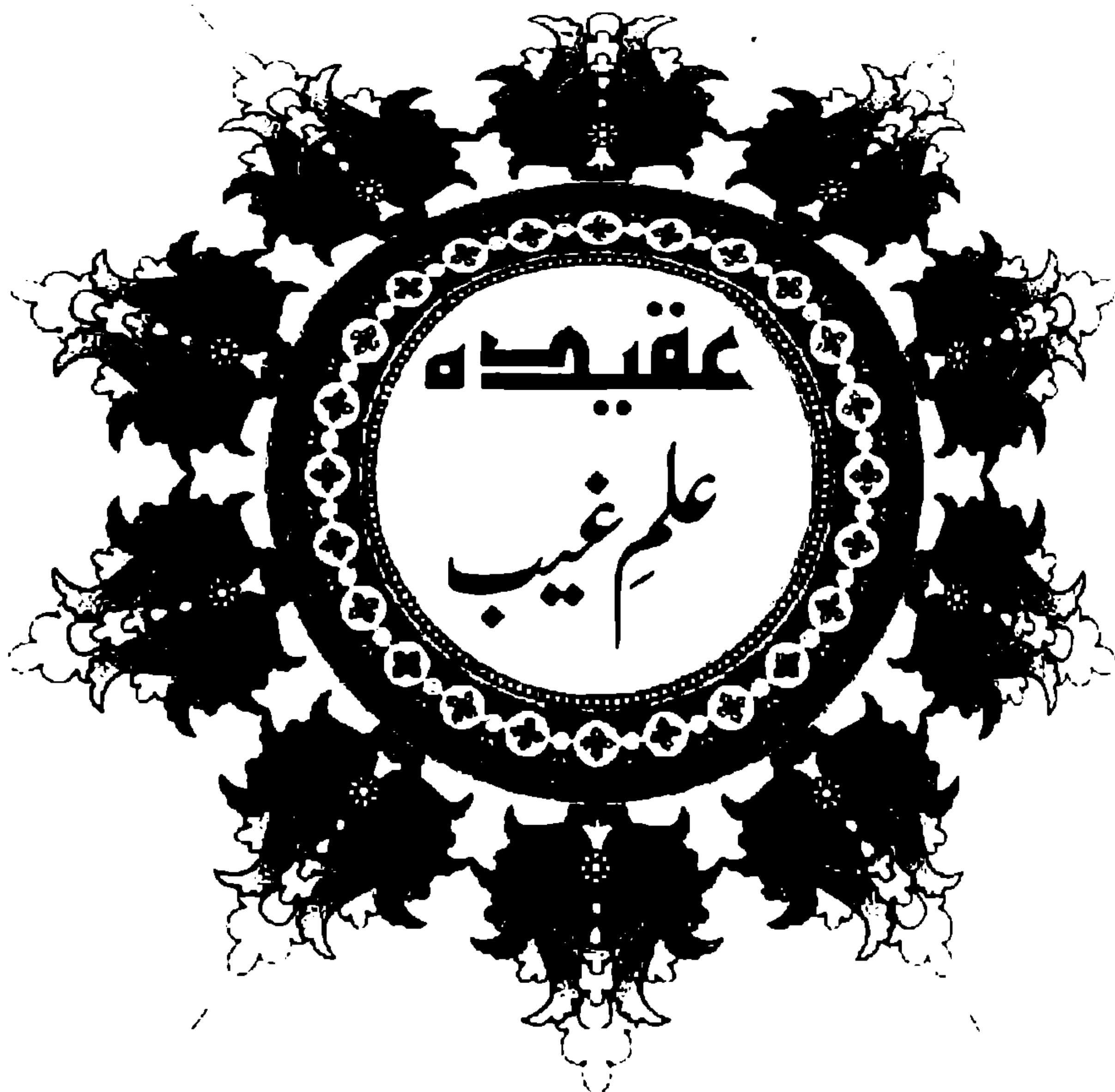
آنحضرت ﷺ اپنے کمالات وخصوصیات میں تمام کائنات سے اعلیٰ واشرف اور یکتا ہیں آپ کا کوئی ہم مثل اور ثانی نہیں مگر آپ ﷺ بہرحال انسان اور بشر ہیں اور یہ بات بھی ثابت ہو چکی کہ بشریت کوئی عار وعیب کی چیز نہیں جس کی نسبت

---

1 عقائدنسفی صفحہ14   2 فتاوی عالمگری صفحہ263

آنحضرت ﷺ کی طرف کرنا بے ادبی شمار ہو یا آپ کے فضائل ومحاسن کے انکار کا احتمال ہو ورنہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس گستاخی، توہین اور بے ادبی کا ہرگز ارتکاب نہ کرتے اور پھر ''اشرف المخلوقات'' کا معزز رتبہ بشر وانسان ہی کو ملا ہے لہٰذا بشریت آپ ﷺ کا کمال ہے البتہ حضور اقدس ﷺ ''ہادیٔ راہ ہدایت'' ہونے کی حیثیت سے سراپا نور ہیں کہ آپ کو نور نبوت عطا کیا گیا ہے جس کی بدولت دنیائے ظلمت کو روشنی نصیب ہوئی۔ نور اور بشر میں کوئی ایسی منافات نہیں کہ ایک کا اثبات کر کے دوسرے کی نفی کی جائے بلکہ ایسا کرنا سراسر گمراہی ہے۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جس مقام کو رسول اللہ ﷺ نے فخر وفضیلت بتلایا اور علی الاعلان فرمایا کہ میں بشر اور اولاد آدم کا سردار ہوں اور کلام پاک بھی جابجا آپ ﷺ کی بشریت کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے آج محبت کے عنوان سے آپ ﷺ کو نور ثابت کر کے اس اعلیٰ وارفع مقام بشریت سے نیچے لایا جا رہا ہے۔ حالانکہ بشریت کو رسالت کے قابل نہ سمجھنا ایک طرح سے خود انسانیت کی بھی توہین ہے۔ نیز آپ ﷺ کو بشر نہ ماننے سے کفار سے مشابہت اور آپ کے خاندان وقبیلے کا انکار لازم آتا ہے۔


عقیدہ
علمِ غیب

علمِ غیب کا مفہوم:

کسی ذات کے عالم الغیب ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کے علم اور اس کی نگاہ سے کسی وقت بھی مخفی اور اوجھل نہ ہو۔ اور اس کے لئے دو لازمی شرائط ہیں۔ ❶ وہ علم ذاتی ہو کسی دوسرے کا دیا ہوا نہ ہو۔ ❷ تمام کائنات کے ماضی، حال اور مستقبل کا علم محیط ہو۔

یہ صفت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات تک محدود ہے باقی تمام مخلوق میں کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ فرد خواہ نبی ہو یا ولی، اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کی طرح اس صفت میں بھی کسی حیثیت سے اس کا شریک و سہیم نہیں۔ قدرت کامل کی طرح علم کامل بھی خاصۂ خداوندی ہے لہٰذا اللہ کے علاوہ نہ کسی کو علم غیب ہے اور نہ کلی علم۔ کلام پاک میں یہ بات بہت صراحت کے ساتھ مذکور ہے:

﴿أَلَآ إِنَّهُۥ بِكُلِّ شَىْءٍ مُّحِيطٌۢ﴾[1]

"خوب آگاہ رہو اللہ کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے"۔

رسول اللہ ﷺ کے علومِ مبارکہ:

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو وہ علوم عطا کیے ہیں جو کسی مقدس نبی اور مقرب فرشتے کو بھی عطا نہیں کیے بلکہ تمام اولین و آخرین کے علوم مل کر آنحضرت ﷺ کے دریائے علم کا ایک قطرہ بھی نہیں بن سکتے۔ حق تعالیٰ کی ذات و صفات، گزشتہ و آئندہ کے بے شمار واقعات، قبر و برزخ کے حالات، میدان

---

1 سورہ فصلت آیت 54

محشر کے نقشے، جنت و جہنم کی کیفیات، علوم شرعیہ، اسرار و حکمتیں، آسمان و زمین کے عجائبات، نیکوکاروں اور بدبختوں کے احوال، الغرض وہ تمام علوم جو آپ ﷺ کی ذات اقدس کے شایان شان تھے آپ کو بطور معجزہ عطا کیے گئے۔ آپ کے علوم مبارکہ کی وسعت کا اندازہ کسی انسان، جن یا فرشتے کو نہیں یہ تو صرف علوم عطا کرنے والے (اللہ تعالیٰ) اور لینے والے (آنحضرت ﷺ) کو معلوم ہے۔

ایسا جامع اور کامل علم مخلوق الٰہی میں نہ کسی کو ملا ہے اور نہ ہی ملے گا لیکن جس طرح ساری کائنات کے علوم کو آنحضرت ﷺ کے علوم مقدسہ سے کوئی نسبت نہیں بالکل یہی حقیقت آپ ﷺ کے علوم کی حق تعالیٰ شانہ کے علم کے مقابلے میں ہے کہ ہر جگہ، ہر وقت غیب کا علم آپ ﷺ کو بھی نہیں دیا گیا کیونکہ بندہ دانا ترین ہو کر بھی بہر حال بندہ ہے اس کا علم، علم الٰہی تک کیسے پہنچ سکتا ہے......؟

حضور ﷺ کو نہ علم غیب تھا اور نہ ہی آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں کبھی اس کا دعویٰ کیا کیونکہ منصب نبوت کے لئے علم غیب اور باطنی امور پر مطلع ہونا ضروری نہیں۔ کئی باتیں اس دنیا میں ایسی بھی تھیں جن کا علم اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کو آخری عمر تک نہیں دیا گیا اور اس میں کوئی تنقیص کا پہلو نہیں البتہ قبر و حشر، جنت و جہنم وغیرہ کی خبریں نبوت و رسالت کی نشانیاں اور آپ ﷺ کے معجزات میں شامل ہیں سو وہ دیدی گئیں۔ دوسرے مذاہب کا اوتار یا الوہیت کے مظہروں سے متعلق خواہ کچھ بھی عقیدہ ہو، اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ پیغمبر کا علم بھی محدود ہوتا ہے گو اس کا دائرہ عام بشری علوم سے کہیں زیادہ وسیع ہوتا ہے بہر حال اس کی ایک حد ضرور ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾ 1

''ہر علم والے سے اوپر ایک علم رکھنے والا ہے''۔

قرآن کی رو سے غیب دان کون ہے......؟

اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ تمام زمانے ماضی، حال اور مستقبل اس کے سامنے برابر ہیں:

﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ 2

''کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ باریک بین پوری طرح خبردار ہے''۔

آسمان و زمین میں رہنے والا کوئی فرد علم غیب کا حامل نہیں یہ خدائی فیصلہ ہے۔

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ 3

''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے غیب کی خبر نہیں رکھتا''۔

عظیم مفسر حافظ ابن کثیرؒ مذکورہ آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے مسئلہ کھول کر واضح کر دیں کہ علم غیب ذات خداوندی کے ساتھ خاص ہے جس میں کوئی فرشتہ جن وانس یا نبی و رسول اس کا ساجھی نہیں'' علم خداوندی تمام کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے مخلوقات میں سے کوئی بھی اگر کچھ علم رکھتا ہے تو وہ اللہ ہی کا عطا کردہ ہے کیونکہ اللہ جب چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے اپنے رسولوں اور مقبول بندوں کو عطا فرما دیتا ہے البتہ

---

1 سورہ یوسف آیت 76   2 سورہ ملک آیت 14

3 سورہ نمل آیت 65

اس علم کی مقدار اتنی نہیں کہ وہ اللہ کے علم کا احاطہ کر سکے:

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾[1]

''اللہ سب کے اگلے اور پچھلے تمام حالات سے آگاہ ہے۔ اور سارے انسان مل کر بھی اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ بجز اتنے علم کے جو اللہ کسی کو عطا کرنا چاہے''۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پر بھی اس طرح آگاہ نہیں ہو سکتی جیسا کہ اس کا حق ہے بلکہ اپنی ذات اور صفات کے بارے میں باری تعالیٰ نے جتنا بتلا دیا ہے اتنی ہی مقدار میں واقف ہو سکتی ہے۔[2]

پوری امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا سلفاً خلفاً یہی عقیدہ رہا ہے کہ جو کچھ مخلوق کے علم سے غائب ہے یا جو ان کے علم و مشاہدہ میں موجود ہے، جو ہو چکا یا جو آئندہ ہوگا اس کا علم اللہ ہی کو زیبا ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں ''عالم الغیب'' کی اصطلاح کو اللہ نے صرف اور صرف اپنے لیے ہی استعمال فرمایا ہے:

﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾[3]

''اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں۔ جو کچھ ظاہر ہے اور جو پوشیدہ ہے، وہ سب کی خبر رکھتا ہے''۔

مشرکین نے یہ عقیدہ قائم کر رکھا تھا کہ انبیاء علیہم السلام غیب دان اور متصرف فی الامور ہوتے ہیں اسی بنا پر وہ ان سے فرمائشی معجزات طلب کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کی زبانی ان کے اس غلط خیال کی تردید فرماتے ہیں:

---

1 سورہ بقرہ آیت 255 — 2 تفسیر ابن کثیر جلد 1 صفحہ 231

3 سورہ حشر آیت 22

﴿فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ﴾[1]

"سو آپ (ﷺ) فرما دیجیے کہ غیب کی خبر تو صرف اللہ ہی کو ہے"۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے کمالِ علم کی شان اور احاطہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾[2]

"تحقیق اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں سے واقف ہے بیشک وہ سینے کی باتوں تک کو جاننے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا لامحدود علم تمام موجودات کو گھیرے ہوئے ہے خواہ کسی کو کچھ دکھائی دے یا نہ دے مگر اللہ سے کچھ مخفی نہیں، قدرت کے سارے انتظامات اسی ہمہ داں و ہمہ بیں ذات کے ایک خاص نظام کے ماتحت انجام پاتے ہیں:

﴿وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ﴾[3]

"اور ہر چیز کا اللہ کے یہاں ایک اندازہ مقرر ہے۔ وہ ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کا علم رکھنے والا، بڑا بلند مرتبہ ہے"۔

ہر جگہ، ہر گھڑی اور ہمیشہ بنا کسی کے بتلائے غیب کا علم صرف رب کائنات ہی کو ہے:

﴿وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ ... بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾[4]

"تم خواہ چپکے سے بات کرو یا اونچی آواز سے، وہ تو دلوں کا حال تک جانتا ہے"۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے کامل علم کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:

---

1. سورہ یونس آیت 20
2. سورہ فاطر آیت 38
3. سورہ رعد آیت 9
4. سورہ ملک آیت 13

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ 1

''اور تمام غیب کی باتوں کے خزانے اللہ ہی کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور خشکی وتری میں جو کچھ ہے اللہ اس سے خوب واقف ہے''۔

''غیب کی باتوں کے خزانے'' اللہ کے پاس ہونے سے مراد اس کی ملکیت اور قبضہ میں ہونا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ غیب کے خزانوں کا علم بھی اللہ کے قبضے میں ہے اور ان کو ظہور میں لانا بھی اسی کی قدرت میں ہے۔ کیونکہ اہتمام کے ساتھ فرمادیا کہ نہ صرف غیب کے خزانے بلکہ انکی چابیاں بھی ہمارے قبضہ قدرت میں ہیں۔ ورنہ دنیا میں تو ایسا ہوتا ہے کہ خزانے کی چابی مالک کے مشیر وغیرہ کے پاس رہتی ہے مگر اللہ نے یہاں ہر قسم کی تاویل کے دروازے بند فرمادیئے لہٰذا یہ عقیدہ دین میں اتنا ضروری، واضح اور قطعی ہے کہ علامہ زجاجؒ اس کی مخالفت کے مرتکب کو منکر قرآن گردانتے ہیں۔ 2 اب دیکھنا یہ ہے کہ ''غیب کی باتوں کے خزانے'' سے کیا مراد ہے......؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''غیب کے خزانے سے مراد پانچ چیزیں ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔ 3

چنانچہ کلام پاک میں اس کی تشریح یوں بیان کی گئی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ...... نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ﴾ 4

''بیشک اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کی خبر اور اتارتا ہے برسات اور جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے اسے جانتا ہے اور کسی جی کو معلوم نہیں کہ کل کو کیا کرے گا اور کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کس زمین میں مرے گا''۔

1 سورہ انعام آیت 59 2 عمدۃ القاری شرح بخاری صفحہ 161
3 بخاری شریف جلد 2 صفحہ 681 4 سورہ لقمان آیت 34

ہاں البتہ ان میں سے بعض جزئیات کا علم اللہ کے بتلانے سے انبیاء کرام علیہم السلام کو بطور معجزہ اور بعض اولیاء کرام کو بطور کرامت ہو جاتا ہے مگر یہ صرف معدود سے چند جزئیات ہوتی ہیں اور بس۔ کلی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ رئیس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"یہ پانچ چیزیں وہ ہیں جن کا علم نہ تو کسی مقرب فرشتے کو ہے اور نہ جناب نبی کریم ﷺ کو، پس جو کوئی ان میں سے کسی چیز کے علم کا دعویٰ کرے تو اس نے قرآن کریم کی مذکورہ آیت کا انکار اور اس کی مخالفت کی ہے"۔1

ایک حکایت ایک سبق:

مفسرین کرام نے اس آیت کے تحت ایک حکایت نقل کی ہے کہ خلیفہ منصور کو خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو اس نے پوچھا کہ میری عمر کے کتنے ایام باقی ہیں ؟ جواب میں پانچ انگلیوں سے اشارہ ملا۔ بیدار ہونے پر امرا سلطنت سے تعبیر پوچھی۔ سب نے اپنے اپنے خیالات کے مطابق مختلف تعبیریں دیں۔ لیکن جب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی باری آئی تو آپ نے فرمایا کہ درحقیقت یہ سورہ لقمان کی مذکورہ آیت کی طرف اشارہ ہے اور آیت کی رو سے موت ان پانچ اشیا میں داخل ہے جن کا علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔2

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار آپ کے جواب کی روشنی میں بخوبی اپنے مسلک کا تعین کر سکتے ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ مذکورہ پانچ چیزیں تو اللہ کے ساتھ خاص ہیں البتہ اس کے علاوہ کا علم سب کو ہے۔ تعلیمات نبویہ ﷺ، طرزِ

1 تفسیر خازن صفحہ183 2۔ تفسیر مظہری صفحہ280

صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقۂ حنفی کو پس پشت ڈالتے ہوئے مذکورہ آیت کی باطل تاویلات کرنا، اس میں فاسد خیالات کو داخل کرنا اور پیرو مریدنی کے قصہ گھڑ کر اس کے بالکل برعکس عقیدہ ایجاد کرنا تحریف قرآن کے زمرے میں آتا ہے۔ لہٰذا کسی ناسمجھ کا یہ دعویٰ کہ "حضور علیہ السلام کو علم تو تھا پر بتلایا نہیں" سراسر مردود ہے۔ یہ اعتراف عظمت نہیں بلکہ نبی کریم علیہ السلام کی ذات بابرکات پر بہتان اور انتہا درجے کی جسارت و گمراہی ہے۔ اس سے نعوذ باللہ آپ علیہ السلام کی طرف خیانت کی نسبت لازم آئے گی۔ علم سے ناآشنا بعض افراد یوں بھی کہتے ہیں کہ "آپ علیہ السلام کو ان کا علم تو تھا مگر اسے چھپانے کی بھی تاکید کی گئی تھی"۔ ایک اور منچلے نے تو انتہا ہی کر ڈالی کہ "آپ علیہ السلام کو آخری وقت میں ان امور کی خبر دیدی گئی تھی سو آپ علیہ السلام نے جسے چاہا، جتنا چاہا عطا کر دیا"۔ سچ پوچھیے تو فریق ثانی آج تک اپنے دوٹوک موقف کی وضاحت بھی نہیں کر سکا ہے۔ باقی ادھر ادھر کی باتیں بنانے یا بات سے بات نکالنے سے عقیدہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ خواہ مخواہ کچھ نہ کچھ کہہ دینے کا نام دلیل اور ثبوت ہرگز نہیں ہوتا۔

قیامت واقع ہونے کا علم:

فخر المفسرین امام رازیؒ فرماتے ہیں ایک ہے قیامت کا نفسِ وقوع اور ایک ہے وقتِ وقوع، پس پہلا آنحضرت علیہ السلام کو حاصل ہے اور وہ نبوت کے اہم مقصد ڈرانے اور سمجھانے کے لئے کافی ہے اور دوسرے کا علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں اور آنحضرت علیہ السلام کے نذیر و مبین ہونے کے لیے اس کی ضرورت بھی نہیں۔[1]

1 تفسیر کبیر صفحہ 191

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ ... ذِكْرٰهَا ۝ إِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا﴾[1]

''آپ (ﷺ) سے دریافت کرتے ہیں کہ اس گھڑی کا قیام کب ہوگا آپ کو

اس کے ذکر سے کیا کام۔ اس کی انتہا تو آپ کے رب کے پاس ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے حکمت کے طور پر پچھلی آسمانی کتابوں میں بھی قیامت کے واقع ہونے کے علم کو مخفی رکھا تھا اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی اس کو مخفی رکھا گیا ہے مگر پھر بھی مشرکین مکہ از راہ شرارت، یہود بطور امتحان اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محض اپنی تسلی کے لئے جناب نبی کریم ﷺ سے قیامت کی متعین تاریخ کے بارے میں اکثر سوال کیا کرتے تھے:

﴿يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ ...... السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا﴾[2]

''لوگ آپ (ﷺ) سے قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ اس کا متعین علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور آپ کو کیا معلوم شاید کہ وہ قیامت کی گھڑی قریب ہی ہو''۔

آنحضرت ﷺ سے زندگی کے آخری لمحات تک بار بار یہی سوال ہوتا رہا جس کا جواب قرآن مجید میں مختلف پیرائے سے دیا جاتا رہا اور یہ واضح ہے کہ مکی و مدنی زندگی کے دونوں ادوار میں آخر وقت تک وقوع قیامت کا علم آپ ﷺ کو نہیں دیا گیا۔

حدیث جبرئیل علیہ السلام اساسِ دین کی حامل ہونے کی وجہ سے ''ام الاحادیث'' کہلاتی ہے جو صحاح ستہ کی تمام کتب میں مذکورہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک اعرابی کی صورت میں آکر ایمان و اسلام اور احسان کے متعلق سوالات کرتے ہیں پھر

1 سورہ النازعات آیت45 2 سورہ احزاب آیت63

آخر میں وقوع قیامت کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے جواب دیا:

ماالمسئول عنها بأعلم من السائل[1] ''جس سے سوال کیا جارہا ہے اس کو سائل سے زیادہ علم نہیں''۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں'' یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کے آخری دور کا تھا''۔[2] لہٰذا اس قول کی رو سے یہ عقیدہ رکھنا جز ایمان ہے کہ قیامت قائم ہونے کا ٹھیک وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے زندگی کے آخری ایام میں نکلنے والے الفاظ اس بات کا واضح اعلان ہیں کہ قیامت کا علم نہ مجھے ہے نہ جبرئیل علیہ السلام کو اور یہی حال تا قیامت اس موضوع پر سوال و جواب کرنے والوں کا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی وفات سے صرف ایک ماہ قبل آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا تھا'' تم لوگ مجھ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہو حالانکہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے''۔[3]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حدیث جبرئیل علیہ السلام کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''جب حضرت جبرئیل اعرابی کی صورت میں آئے تو آنحضرت ﷺ ان کو پہچان نہ سکے''۔[4]

---

1 بخاری شریف جلد 1 صفحہ 18، ترمذی شریف جلد 1 صفحہ 95، مشکوۃ جلد 1 صفحہ 11

2 فتح الباری صفحہ 62، عمدۃ القاری صفحہ 296

3 مسلم شریف صفحہ 310، مشکوۃ صفحہ 480، در منثور صفحہ 150

4 کنز الاعمال صفحہ 69

حلیہ اور شکل بدل لینے سے علم نہیں بدل جاتا معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ عالم الغیب نہ تھے ورنہ بارہا وحی لانے والے فرشتے کو ضرور پہچان لیتے۔ جب نبی ورسول غیب کا علم نہیں رکھتے تو پیر، فقیر، درویش علم غیب سے کس طرح واقف ہو سکتے ہیں.... ؟

تصویر کا دوسرا رُخ:

بعض افراد پیدائشی طور پر احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ محفل کو زعفران زار بنانے اور سستی شہرت کے حصول کی خاطر دین کو تختۂ مشق بنانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ان کے خیال میں انبیاء کرام علیہم السلام تمام حالات کا مشاہدہ کر رہے ہیں اس دعویٰ کی دلیل یہ ہیکہ پیر فقیر حضرات بھی تو اپنے مزاروں پر بیٹھنے والے پرندوں کی جنس تک سے واقف ہوتے ہیں یہ ہے دعویٰ اور اسکی دلیل، جس سے آپ ذہنی مسکینی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ انسانوں میں سب سے برگزیدہ بندے اللہ کے رسول اور پیغمبر ہوتے ہیں جنہیں غیب کا علم وحی کے ذریعے دیا جاتا تھا اب چونکہ وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے لہٰذا اب اگر کوئی انسان علم غیب کا دعویٰ کرے تو وہ شیطان کا پیروکار ہے۔

بعض پڑھے لکھے جاہل لوگ نبی کریم ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپ کو ﴿جَمِیْعُ مَاکَانَ وَمَایَکُوْنُ﴾ ''روزِ اوّل سے آخر تک کے وہ تمام حالات وواقعات جو ہو چکے، ہو رہے ہیں یا آئندہ ہونگے'' کا علم ہے۔ خواہ مخواہ کی باتیں بنانے کا اس دنیا میں کوئی علاج نہیں۔ یہ نمائشی اور بے حقیقت اصطلاحات سادہ لوح عوام پر تو شاید اثر انداز ہوں لیکن عقائد کی بات ہمیشہ دلائل کی بنیاد پر تسلیم کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ بلا فرق و امتیاز تمام انبیاء کرام سے میدان محشر میں سوال فرمائے گا:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ .... اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾[1]

''جس روز اللہ تمام پیغمبروں کو جمع کر کے کہے گا کہ تمہیں (اپنی امتوں کی طرف سے) کیا جواب ملا تھا وہ کہیں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں تو ہی چھپی باتوں کو خوب جاننے والا ہے''۔

اس آیت میں اللہ کے سامنے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا بیان ہے کہ ہمیں غیب کی خبر نہیں ہم تو ظاہری اقوال و اعمال کو جانتے تھے، باطن کا علم تو صرف تجھی کو ہو سکتا ہے یعنی بنی آدم کے جملہ ظاہری و باطنی احوال علم غیب میں داخل ہیں اور اس کا علم اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں اور نہ ہی قیامت تک ہوگا کیونکہ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کا یہ بیان قیام قیامت کے بعد ہوگا۔ اب جن احباب کا اصرار آنحضرت ﷺ کو عالم الغیب ماننے پر ہے تو کیا وہ اپنے اس دعویٰ بے بنیاد کی بنا پر آپ ﷺ کو انبیا و رسل علیہم السلام کی فہرست سے نکالنے کی مذموم جسارت کر سکتے ہیں......؟ انبیا جب حیات تھے تو غیب نہیں جانتے تھے وفات کے بعد بھلا کیسے جاننے لگے......؟

اسی طرح آپ پورا کلام پاک پڑھتے چلے جائیں کوئی ایک بھی ایسی آیت نظر سے نہیں گزرے گی جس میں علم غیب کو اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔ بلکہ جس طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ اس میں متفرد و یکتا ہے اس جہان کے بعد بھی وہی عالم الغیب ہوگا۔ ملاحظہ فرمائیے:

﴿ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾[2]

''پھر تم اس اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ہر چھپی اور کھلی بات کا جاننے والا ہے''۔

---

1 سورہ مائدہ آیت 109 2 سورہ جمعہ آیت 8

ایک اور مقام پر ارشاد ہے کہ علم و ملک اور اختیار و تصرف اسی ذات کا کامل ہے:

﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ﴾ 1

''آسمان اور زمین کی تمام پوشیدہ خبریں اللہ ہی کیلئے ہیں اور اسی کی طرف تمام کاموں کا لوٹنا ہے''۔

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے اور سننے کی صفت سب سے اعلیٰ اور نرالی ہے لہٰذا مخلوق کے اعتبار سے آسمان و زمین کی تمام چھپی ہوئی باتوں کا علم بھی اسی کے ساتھ خاص ہے:

﴿لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ﴾ 2

''اسی اللہ کے پاس ہیں آسمان و زمین کے چھپے بھید کیا ہی عجیب دیکھتا اور سنتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ ایک مقام پر اپنے علم کامل کی شان بتلاتا ہے کہ میں ہر وقت ہر ایک کی ہر طرح سے خبر رکھتا ہوں کوئی چھوٹی بڑی، ظاہر پوشیدہ شے مجھ سے اوجھل نہیں:

﴿عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ .... اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ﴾ 3

''وہ اللہ عالم الغیب ہے ذرہ بھر بھی خواہ چھوٹا ہو یا بڑا آسمان و زمین میں اس سے غائب نہیں ہو سکتا''۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے منصب رسالت پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے یہ حقیقت آشکار فرما دی ہے کہ انبیاء کرام نہ تو خزانۂ خداوندی پر براجمان ہوتے ہیں، نہ غیب دان اور نہ بشر کے علاوہ کسی اور نوع سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ وہ تو حکم الٰہی کے تابع ہوتے ہیں:

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ .... مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ 4

''آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خزانات خداوندی ہے اور نہ میں عالم الغیب ہوں اور نہ ہی میں تمہیں یوں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے''۔

آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی زبانی جن تین صفات کی نفی فرمائی ہے

---

1 سورہ ہود آیت123 2 سورہ کہف آیت26

3 سورہ سبا آیت3 4 سورہ انعام آیت50

اپنی طرف سے آپ ﷺ کیلئے ان کو ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر امید ثواب رکھنا کھلی نادانی، حقیقت سے کوسوں دور اور کلام پاک کے مخالف ومتضاد عقیدہ رکھنا ہے۔ ایک اور مقام پر آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ بھی کہلوادیا کہ نہ میں غیب دانی کا دعویدار ہوں اور نہ مافوق الفطرت ہوں بلکہ جیسے سب اللہ کے بندے ہیں ویسا ہی میں بھی ہوں:

﴿وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ﴾ 1

''اور مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ معلوم کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا''۔

مفسرِ قرآن علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں آنحضرت ﷺ کی اپنی ذات سے علم غیب کی نفی ہے یعنی اب مجھ کو کس چیز کا علم دیا جائے گا اور کس بات سے منع کیا جائے گا مجھے اس کا کچھ علم نہیں ہے۔2

اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے کہ غیبی امور کی اطلاع ہر ایک کو نہیں دیتا بلکہ اپنے برگزیدہ بندوں یعنی انبیاء کرام کا انتخاب کر کے ان کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے:

﴿وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی ...... یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ﴾ 3

''اور ایسا نہیں کہ اللہ تمہیں غیب کی خبر دیدے لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کا چاہے انتخاب کر لیتا ہے''۔

لیکن اس سے یہ شبہہ کرنا کہ اس طرح انبیاء کرام علیہم السلام بھی علم غیب کے شریک کار (عالم الغیب) ہوگئے ایک طرح سے اللہ کی صفت میں شریک کار ٹھہرانے کے مترادف ہے، کیونکہ جو بات کسی کے بتلانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں کہلاتی۔

---

1 سورہ احقاف آیت9 2 تفسیر ابن کثیر صفحہ155

3 سورہ آل عمران آیت179

غیب کی خبر یا اطلاع دینا:

صفت علم غیب تو اللہ کے ساتھ خاص ہے البتہ غیب کی خبر یا اطلاع دینا الگ بات ہے اور فریق ثانی کو غلط فہمی اسی بات پر ہے کہ وہ اس قسم کی آیات سے خود فریبی کا شکار ہو کر پبلک کو خوش فہمی میں مبتلا رکھنے کی سعی لا حاصل کرتے ہیں۔ جب کچھ سمجھایا جائے تو جہل وجمود کی چٹان پر قدم جمائے سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔ یہ کجروی قرآن وحدیث سے تغافل برتنے کا نتیجہ ہے۔ کلام پاک اور سیرت طیبہ میں غور وفکر کرنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے انبیاء علیہم السلام کو جن پوشیدہ امور سے آگاہ فرماتے ہیں وہ دراصل ''غیب کی خبریں'' کہلاتی ہیں کیونکہ لفظ نبی ''نباء'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی خبر کے ہیں، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کلی طور پر علم غیب نبی کے معنی ومفہوم میں داخل ہے۔ جیسا کہ بعض جہلاء نبی کا ترجمہ کرتے وقت خیانت کا مظاہرہ کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ''مخبر صادق'' یعنی سچی خبر دینے والا، کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ جناب ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جزئیات اور غیب کی خبریں ہیں (جنکے بارے میں کوئی اختلاف نہیں) مگر اس کا علم غیب سے کیا تعلق......؟

حضور ﷺ کا پہلے علوم سے بے خبر ہونا عین کمال ہے:

انسان کو پچھلے زمانے کی کسی بات کا علم یا تو عقل سے ہو سکتا ہے یا کسی کے بتلانے اور سکھلانے سے یا خود مشاہدہ کرنے سے لیکن نبی کریم ﷺ کو ان باتوں کا علم ان میں سے کسی ذریعے سے نہیں ہوا کیونکہ آپ ﷺ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ سے صدیوں پہلے کسی دوسرے علاقے میں پیش آنے والے واقعات کا علم جس کی تاریخ بھی مٹ چکی ہے۔ یقیناً آپ کو وحی کے ذریعے ہوا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بارہا پچھلی امتوں کے حالات وواقعات بتلانے کے بعد اللہ اس امر کی وضاحت کر دیتے ہیں کہ یہ جو آیات آپ ﷺ پر پڑھی جارہی ہیں ہماری نشانیاں ہیں، ہر چند کہ آپ ﷺ اس سے پہلے اس واقعہ سے لاعلم وناآشنا تھے چنانچہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی کفالت کا ذکر ہو یا حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات، طالوت وجالوت کی جنگ ہو یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر جانا قرآن میں ہر ایک واقعہ ذکر کرنے کے بعد اللہ نے یہی فرمایا کہ غیب کی یہ خبریں آپ ﷺ کی رسالت ونبوت کی تصدیق کے لئے بطور معجزہ ہم آپ تک پہنچا رہے ہیں ورنہ آپ ﷺ تو وہاں موجود بھی نہ تھے۔ اس میں حضور ﷺ کے لئے کوئی تنقیص نہیں بلکہ عین کمال ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے حق تعالیٰ کے بتلانے سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو کچھ معلوم نہیں ہوسکتا، نہ ان کے پاس کمالات بدون عطاء الٰہی کے ہوتے ہیں لہٰذا اسطرح کی خبریں دیتے وقت اللہ اپنے محبوب ﷺ سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں:

﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ ... وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا﴾[1]

''اے نبی (ﷺ) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کررہے ہیں اس سے پہلے نہ تم ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم''۔

لہٰذا غیب کی خبروں پر جمیع ما کان وما یکون کا اطلاق کرنا حقیقت سے نظریں چرانے کے مترادف اور لاعلمی پر مبنی ہے۔

آنحضرت ﷺ کو غیب کا علم نہ تھا آپ کو صرف وہی کچھ معلومات تھیں جو وحی کے ذریعے بتلائی جاتی تھیں۔ پچھلے انبیاء علیہم السلام کی خبریں بھی اللہ تعالیٰ نے ہی

---

1 سورہ ھود آیت49

آپ ﷺ تک پہنچائی ہیں اور جن کی خبر آپ کو نہیں دی گئی آپ کو ان کی خبر نہیں۔ ظاہر ہے جب اللہ تعالیٰ نے ان کے احوال کا علم آپ کو عطا نہیں کیا تو وہ کہاں سے اور کیونکر حاصل ہو سکتا ہے.....؟ ملاحظہ فرمائیے:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا ...... بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾[1]

''اور ہم نے آپ (ﷺ) سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ہیں ان میں سے بعضے کا حال آپ کو سنا دیا اور بعضے کا حال نہیں سنایا اور کسی رسول کی قدرت نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی لے آئے''۔

واضح ہوا کہ حق تعالیٰ اپنے مقبول بندوں انبیاء کرام علیہم السلام یا اولیاء عظام رحمہم اللہ کو بذریعہ وحی یا کشف جو بات بتلادیں وہ انہیں معلوم ہو جاتی ہے پھر وہ مقبول بندہ کسی اور کو بھی خبر دیدے تو اسے بھی معلوم ہو جاتی ہے جیسے جنت وجہنم کے احوال وغیرہ مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ انہیں تمام مغیبات منکشف ہو گئے ہیں؟ حق تعالیٰ کوئی بات بتلانا چاہے تو ساتوں زمین کے نیچے اور ساتوں آسمانوں کے اوپر کیا ہے اور کیا ہو رہا ہے؟ وہ بھی معلوم ہو جاتا ہے اور اگر وہ کوئی بات نہ بتلانا چاہے تو دیوار یا پردے کے پیچھے کی کوئی بات حتیٰ کہ پیر کے نیچے کیا چیز ہے اور سر کے اوپر کیا ہو رہا ہے؟ اس کی بھی خبر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ معجزات وکرامات ان کی اختیاری چیز نہیں ہوتے کہ جب چاہیں دکھلا سکیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر خاص فضل ہوتا ہے۔

علم غیب عقل کی میزان میں:

علم غیب کا اثبات نبی یا ولی کے لئے قطعاً ضروری نہیں کیونکہ اگر انہیں پہلے سے سب کچھ معلوم ہو اور پھر وہ بتلائیں یہ کوئی شان وکمال نہیں۔ اس طرح تو وحی وکرامت بے

---

1 سورہ مومن آیت78

اہمیت ہوکر رہ جائے گی بلکہ کمال عظمت تو یہ ہے کہ ان برگزیدہ ہستیوں کو پہلے سے کچھ علم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے جس وقت اور جتنا چاہیں علم عطا فرما کر ان کی شان بلند کردیں۔ جو کسی اور کے بس کی بات نہ ہو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کرام علیہم السلام پر ظاہر کردیں اور کبھی ایسا بھی ہو کہ علم نہ دے کر بھی شان بلند فرمادیں جیسے کلام مجید میں آنحضرت ﷺ کی صفت ''النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ''1 آئی ہے یعنی جس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو مگر اللہ نے وحی اتار کر زمین وآسمان کے مسائل حل کردیئے۔

اب ہم قرآن وحدیث سے چند ایسے واقعات نقل کریں گے جنہیں پڑھ کر ہر صاحب عقل ومنصف مزاج شخص جان لے گا کہ آنحضرت ﷺ عالم الغیب نہیں ہیں۔

ازدواجِ مطہرات کا واقعہ:

پیغمبروں کی خانگی وازدواجی زندگی عام انسانوں جیسی ہوتی ہے نبی کریم ﷺ نے اپنی ایک بی بی صاحبہ سے بطور راز کوئی بات کہی انہوں نے دوسری زوجہ محترمہ پر ظاہر کردی۔ آپ ﷺ کو وحی الٰہی سے اس کا علم ہوگیا۔ آپ ﷺ نے انہیں جتلایا کہ تم نے وہ بات راز نہ رہنے دی۔ اس پر انہیں حیرت وتعجب ہوا کہ آپ ﷺ تو غیب دان نہیں پھر کیونکر معلوم ہوگیا......؟ اب نبی کریم کا جواب سنیے......! آنحضرت ﷺ نے بھی انہیں یوں نہیں کہا کہ ہم تو غیب دان اور حاضر وناظر ہیں ہمیں کسی کے بتلانے کی کیا ضرورت ہے......؟ بلکہ ارشاد فرمایا:

﴿قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾2

''آپ (ﷺ) نے کہا مجھے اس خبر رکھنے والے واقف کار (اللہ تعالیٰ) نے بتلایا ہے''۔

---

1 سورہ اعراف 157 2 سورہ تحریم آیت3

مسجدِ ضرار کا واقعہ:

منافقین نے سازشی طبیعت سے مجبور ہو کر مسجد کے نام پر ایک عمارت بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ﷺ ہمارے ساتھ چل کر اس کا افتتاح فرمائیں۔ اس وقت آپ ﷺ غزوۂ تبوک کی مہم پر روانہ ہو رہے تھے چنانچہ طے پایا کہ واپسی پر ان کی مسجد میں نماز پڑھیں گے۔ (منافقین کا مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر ''ساتھ چلنے'' کا اصرار واضح کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کے وہ بھی قائل نہ تھے اب تو ہر کس و ناکس نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی تشریف آوری کو بازیچۂ اطفال بنا ڈالا ہے) تبوک سے واپسی پر اللہ تعالیٰ نے اصل صورتحال سے آگاہ فرما کر ان ظالموں کی مسجد نما عمارت گرا دینے کا حکم صادر فرمایا:

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا [1]

''اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین بالکل جھوٹے ہیں آپ (ﷺ) اس میں نماز کے لئے کبھی کھڑے نہ ہوں''۔

ذرا غور کیجئے آنحضرت ﷺ کو مدینے کے ایک محلّہ میں اسلام کے خلاف کی جانے والی ریشہ دوانیوں کا علم نہ تھا ورنہ انہیں سچا تصور کر کے ساتھ جانے کا وعدہ کبھی نہ فرماتے اس کے ساتھ یہ بھی غور کریں کہ آنحضرت ﷺ کو علم ہوتے ہوئے جبرئیل امین کا آپ کو آگاہ کرنا اور آیتیں نازل ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

جہاد سے پیچھے رہ جانیوالوں کا واقعہ:

غزوۂ تبوک کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے منافقین کی چکنی چپڑی باتوں سے متاثر

1 سورہ توبہ آیت108

ہوکر واقعتاً انہیں معذور جانتے ہوئے جہاد سے رخصت دیدی حالانکہ وہ مکر وفریب کر رہے تھے۔ اللہ عزوجل نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو ایک گونہ عتاب آمیز مگر پیار بھرے انداز میں تنبیہ فرمائی:

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ ۔۔۔ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ﴾[1]

''آپ (ﷺ) کو اللہ بخشے آپ نے ان کو ایسی جلدی کیوں اجازت دیدی جب تک کہ آپ سچے اور جھوٹوں کو پرکھ نہ لیتے''۔

شہد نہ کھانے کی قسم کا واقعہ:

آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں سے شہد نوش فرما کر آئے۔ حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما نے بشری تقاضے کے تحت آپس کے مشورے سے یہ لطیف حیلہ بنایا کہ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو کہا کہ آپ کے منہ مبارک سے مغافیر (گوند) کی بو آرہی ہے۔ آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا: اچھا! اگر ایسا ہی ہے تو میں آئندہ شہد نہ پیوں گا۔ مگر اللہ کو یہ پسند نہ تھا کہ آپ ﷺ کسی حلال چیز کو بلاوجہ اپنے اوپر حرام کر لیں، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾[2]

''اے نبی (ﷺ) آپ اس چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہیں جسے اللہ نے حلال کیا ہے''۔

اگر آنحضرت ﷺ کو علم غیب ہوتا تو نزول آیت سے پہلے ہی معلوم ہو جاتا کہ میرا یہ فعل اللہ کو ناپسند ہوگا۔ اور کیا حاضر وناظر سے چھپ کر بھی کوئی مشورہ کیا جا سکتا ہے؟ نیز خود حضرت عائشہؓ وحفصہؓ قرآن کی حافظہ اور دین میں مہارت رکھنے کے باوجود

---

1 سورہ توبہ آیت43 2 سورہ تحریم آیت1

جانتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ غیب دان اور حاضر و ناظر نہیں۔ اسی کے ضمن میں یہ حقیقت بھی کھل گئی کہ اگر آپ ﷺ مختار کل ہوتے تو جو چیز اپنے اوپر حرام کر لی تھی وہ حرام ہی رہتی اور قسم توڑ کر کفارہ دینے کی نوبت کبھی نہ آتی۔

بکری کے گوشت میں زہر ملانے کا واقعہ:

فتح خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے بکری کے گوشت میں زہر ملا کر آنحضرت ﷺ کو تحفہ بھیجا۔ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس میں سے چند لقمے کھائے دفعتاً آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے مت کھاؤ۔ یہ بوٹیاں مجھے بتلا رہی ہیں کہ ہمارے اندر زہر ہے لیکن جب تک حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہو چکی تھی۔ سو اس یہودیہ کو قصاصاً قتل کرنے کا حکم دیا گیا خود آنحضرت ﷺ تین سال تک اس کا درد و الم محسوس کرتے رہے اور آپ کے مرضِ وفات میں بھی اسی زہر کا اثر نمایاں تھا۔ اگر حضور ﷺ کو علم غیب ہوتا تو یہ افسوسناک واقعہ ہرگز پیش نہ آتا اور آپ ﷺ پیشگی طور پر اس کی ناشائستہ حرکت کی خبر دیدیتے۔ علم غیب کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنے سے نعوذ باللہ یہ لازم آئے گا کہ جانتے بوجھتے بھی آپ ﷺ نے اس کی خبر نہ دی جس سے صحابی کی موت واقع ہوئی۔ بتایئے...... صحابی کی موت کا ذمہ دار کون قرار پاتا ہے......؟[1]

حضرت عائشہؓ کا ہار کھو جانے کا واقعہ:

غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی پر راستے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قیمتی ہار گم ہو گیا۔ مجبوراً آنحضرت ﷺ کو اسی منزل پر قیام کرنا پڑا اور کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (جو خود اپنی جگہ ولی کامل تھے) کو اس کی تلاش کے لئے بھیجا اسی میں عصر کا وقت بھی

1 بخاری شریف جلد2 صفحہ610

نکل گیا حالانکہ ہار اونٹ کے نیچے پڑا تھا۔ واپسی پر منافقین نے حرم نبوت پر اس قدر تہمت کا بازار گرم کیا کہ بعض مخلص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تقریباً ایک ماہ خاصے مغموم اور پریشان رہے اور آپ ﷺ نے بارہا مشورہ بھی کیا کہ اب کیا کیا جائے ...؟ اس کے بعد اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا اعلان کرتے ہوئے ہر تہمت لگانے والے کی شرعی سزا (80 کوڑے لگانے) کا حکم نازل فرمایا[1]۔ اگر حضور ﷺ کو علم غیب ہوتا تو اس قدر پریشانی کیوں اٹھاتے...؟ کیا نعوذ باللہ یہ مذاق تھا کہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے لوگوں سے اپنے نجی معاملات میں مشورہ کیا جارہا ہے...؟

ذاتی اور عطائی علم غیب:

کچھ ریٹائرڈ فلسفی قسم کے لوگ بڑی دور کی کوڑی لائے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو ذاتی علم غیب تو نہیں تھا البتہ ''عطائی'' ضرور تھا۔ یہ مضحکہ خیز تاویل ناقابل التفات اور یقیناً وحتماً مردود ہے کیونکہ نفع کے حصول اور نقصان سے بچنے کے لئے فقط علم ہونا کافی ہے۔ ذاتی وعطائی کی کوئی تفریق نہیں۔ ایک سلیم الطبع اور صاحب عقل شخص کو زہر کے نقصان سے بچنے کے لئے اتنا علم ہونا کافی ہے کہ یہ ہلاکت خیز ہے اسی طرح شہد کے منافع کا مطلق علم ہی کافی ہے۔ اگر کوئی کہے میں اللہ تعالیٰ کو ذاتی طور پر خالق اور الٰہ مانتا ہوں اور آپ ﷺ اور دوسرے بزرگوں کو عطائی طور خالق پر اور الٰہ مانتا ہوں تو اس کا کیا حکم ہے؟

آنحضرت ﷺ کو عالم الغیب ماننے کا نقصان:

کلام پاک میں آنحضرت ﷺ کو اس دعا کی تاکید کی گئی ہے:

---

1 سورۃ النور آیت 4

﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾1

''آپ (ﷺ) کہیے کہ اے میرے پروردگا! میرا علم بڑھادیجئے''۔

ظاہر ہے کہ اگر آپ ﷺ کا علم کامل ومحیط ہوتا تو اس میں اضافے وزیادتی کے کیا معنی ؟ لامحالہ یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ آپ ﷺ کو عالم الغیب ماننے سے وحی کا انکار لازم آتا ہے۔

سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام اور علمِ غیب

اب ہم کلام پاک کے حوالے سے چند ایسی مثالیں نقل کریں گے جن کی رو سے معلوم ہوگا کہ انبیائے سابقین کو بھی علم غیب نہیں تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام:

حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے نبی ہیں آپ کو اللہ نے فرشتوں کے سامنے بہت سی چیزوں کے نام سکھلائے پھر پوچھا تو فرشتے نہ بتلاسکے اور آپ نے بتلا دیئے۔ سو آدم علیہ السلام کی فضیلت بڑھ گئی اس واقعہ سے علم غیب ثابت کرنا ناسمجھی کے سوا کچھ نہیں ورنہ بعد میں وہ شیطان کے مکروفریب میں آکر ممنوعہ درخت کا پھل کھا کر اللہ کو کبھی ناراض نہ کرتے۔

حضرت نوح علیہ السلام:

حضرت نوح علیہ السلام آدمِ ثانی کہلاتے ہیں۔ آپکی قوم پر عذاب آیا تو بیٹا بھی نافرمانی کی پاداش میں ڈوب کر ہلاک ہوگیا۔ اگر نوح علیہ السلام کو پہلے سے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کنعان کو ڈوبنے سے نہیں بچائے گا بلکہ اس کے سوال اور مطالبے سے ہی اس قدر ناراض ہوگا کہ بات نبوت واپس لینے تک جا پہنچے گی تو آپ

---

1 سورہ طٰہٰ آیت114

کبھی اس کی جرات نہ کرتے۔ کیا عالم الغیب بھی جان بوجھ کر قانون خداوندی کے خلاف بات کرتا ہے......؟ اس واقعے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام خود اپنی ذات سے علم غیب کی نفی کا اقرار کرتے نظر آتے ہیں:

رَبِّ اِنِّیٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ﴿1﴾

''اے میرے رب میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں
کہ آئندہ ایسی بات کروں جس کا مجھے علم نہ ہو''۔

حضرت سلیمان علیہ السلام:

آپ کے بے مثال تخت و تاج اور انداز حکمرانی سے کون واقف نہیں......؟ آپ نے اپنی فوج کے مختلف گروہ اور محکمے بنا رکھے تھے جن کی باقاعدہ حاضری لیا کرتے تھے۔ حالانکہ عالم الغیب کے لئے حاضری کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ایک روز ہدہد پرندے کو غیر موجود پایا تو فرمانے لگے:

وَ مَا لِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ ﴿2﴾

''کیا ہو گیا کہ آج مجھے ہدہد نظر نہیں آیا یا وہ کہیں غائب ہے''۔

حالانکہ وہ پرندہ قوم سبا کیطرف جانکلا تھا۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو پریشان ہونے کی بجائے مسرور ہوتے کہ وہ بڑی مفید جاسوسی پر گیا ہوا ہے۔ پھر ہدہد نے واپس آ کر تو کمال ہی کر دیا۔ کس بیباکی سے کہا کہ میں وہ خبر لایا ہوں جو آپ کو معلوم نہ تھی۔ اس کے بعد آپ ہدہد کی بات کو انکل جان کر رقعہ بھیجتے وقت یوں نہ کہتے کہ ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے؟ بلکہ پہلے سے معلوم ہوتا کہ ملک سبا پر ملکہ بلقیس کی حکومت ہے۔ ایک روز آپ کا لشکر جا رہا تھا تو ایک چیونٹی پکار اٹھی:

---

1 سورہ ہود آیت 47 2 سورہ نمل آیت 20

﴿لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾[1]

''کہیں سلیمان (علیہ السلام) اوران کی فوجیں بے خبری میں تمہیں روندنہ ڈالیں''۔

معلوم ہوا کہ جانور بھی جانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام غیب کا علم نہیں رکھتے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام:

آپ جلیل القدر نبی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے والد ہیں آپ کے تمام بیٹے یہ جانتے تھے کہ ہمارا باپ عالم الغیب نہیں ورنہ وہ یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینک کر قطعاً مکروفریب نہ کرتے اور خود حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹوں کی سازش سے آگاہ ہوتے اور جاکر اپنے لخت جگر کو کنویں سے نکال لاتے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کنویں سے ہوتے ہوئے مصر کے حکمران بھی بن گئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں کہ انکی یاد میں رورو کر آنکھیں گنوا بیٹھے۔ اگر حضرت یعقوب علیہ السلام عالم الغیب تھے تو یہ نوبت کیوں آئی؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام:

آپ جدالانبیاء ہیں۔ اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں لیکن چھری حکم ربی کی پابند ہے کیونکہ اللہ کو امتحان لینا مقصود تھا۔ اگر ابراہیم علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو یقیناً یہ معلوم ہوتا کہ میرا بیٹا ذبح نہیں ہوگا اور خود صاحبزادے بھی واقف ہوتے کہ مجھے ذبح نہیں ہونا تو پھر قربانی کے کیا معنی......؟ اس صورت میں تو یہ فراڈ بلکہ نعوذ باللہ، اللہ اور خلیل اللہ کے مابین ملی بھگت سے عوام کو دھوکہ دہی کی ایک اسکیم بن جائے گی حالانکہ حقیقت قطعاً اس کے خلاف ہے۔ آخر میں اللہ نے فرمادیا کہ

---

1 سورہ نمل آیت18

ہمارے خلیل نے خواب سچا کر دکھلایا 1۔ ذرا یہ تو سوچیے کہ کیا غیب دان سے بھی امتحان ہوتا ہے......؟ ایک مرتبہ فرشتے بصورت انسان آپ کے مہمان ہوئے تو آپ انہیں پہچان نہ سکے، جب کھانا پیش کیا تو ان کی پراسرار خاموشی سے ڈر سے گئے کیونکہ بشری فطرت میں ڈر بھی شامل ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو فرشتوں سے ایک گونہ گہرا تعلق ہوتا ہے جب انہیں نہ پہچانا کہ انسان ہیں یا فرشتے تو اور کس کے متعلق علم ہوگا......؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔ آپ بھی عالم الغیب نہ تھے ورنہ اللہ کو دیکھنے کا اصرار نہ کرتے بلکہ جان لیتے کہ مجھے اس دنیا میں کبھی رؤیت باری تعالیٰ نصیب نہ ہوگی بلکہ لطیف پیرائے میں سرزنش ہوگی پھر آپ اللہ کے حکم سے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم سیکھنے گئے۔ کیا عالم الغیب بھی کسی کے پاس جا کر علم سیکھتا ہے......؟ جاتے ہوئے راستے میں پڑاؤ ڈالا تو توشے سے مچھلی کود کر پانی میں چلی گئی پر آپ بے خبری میں دو تین کوس منزل سے آگے نکل گئے اور خادم سے کہا کہ بھئی ہمارا ناشتہ کدھر ہے......؟ تاآنکہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر ان کے ماورائے عقل تکوینی امور کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکے۔ اللہ نے خضر علیہ السلام کی زبانی مسئلہ واضح کر دیا کہ کہیں کوئی نافہم مجھے ہی غیب دان نہ سمجھ بیٹھے:

﴿وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي﴾ 2

''کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا وحی الٰہی سے ایسا ہوا ہے''۔

---

1 سورہ صفت آیت105   2 سورہ کہف آیت82

حضرت عیسیٰ علیہ السلام:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سلسلۂ بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں جنہیں عیسائیوں نے الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ بروزِ محشر عیسائیوں پر حجت قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے کہ کیا آپ نے انہیں کہا تھا کہ میری اور میری والدہ کی پرستش شروع کردو ؟ تو حضرت عیسیٰ جواب دیں گے:

تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ [1]

''اے اللہ! آپ تو میرے دل کے چھپے راز جانتے ہیں اور جو کچھ آپ کے علم میں ہے میں اسے نہیں جانتا۔ بے شک آپ غیب کی تمام باتوں کو جاننے والے ہیں''

مذکورہ آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے علمِ الٰہی کے کامل ہونے کے اثبات کے ساتھ ساتھ اپنے لئے علم غیب کی صاف نفی فرمائی ہے۔

احادیثِ طیبہ اور عقیدۂ علمِ غیب

اب ہم ذخیرۂ احادیث پر نظر ڈالتے ہوئے فیصلہ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو علم غیب ہے یا نہیں ؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

☆ومن حدثک انہ یعلم الغیب فقد کذب وھو یقول لایعلم الغیب الا اللہ[2]

''جو شخص تم سے یوں کہے کہ آنحضرت ﷺ غیب جانتے تھے تو وہ جھوٹا ہے حالانکہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا''۔

گویا ام المومنین رضی اللہ عنہا نے صاف بتلا دیا کہ آپ ﷺ کے لئے علمِ غیب

1 سورہ مائدہ آیت 116 2 بخاری شریف صفحہ 109، ترمذی شریف صفحہ 184

ثابت کرنا بہتان اور گستاخی ہے جس کا انکار لازمی اور آپ ﷺ کی شانِ اقدس کے عین مطابق ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے اس قدر اہتمام سے استخارہ کی دعا یاد کروائی جیسے کوئی سورتِ قرآن ہو۔ اس میں یہ بھی ہے:

☆فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب.1

''اے اللہ! بیشک تو صاحب قدرت ہے اور مجھے کچھ قدرت نہیں اور تو جانتا ہے اور میں انجان ہوں اور تو ہی چھپی ہوئی باتوں کا جاننے والا ہے''۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے:

☆اللھم انی اعوذبک من علم لا ینفع.2

''اے اللہ! میں اس علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو نفع نہ دے''۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو علوم غیر نافعہ مثلاً نجوم، سحر، فلسفہ، شعبدہ بازی، کہانت وغیرہ عطا نہیں کیے گئے کہ یہ آپ کے شایانِ شان نہ تھے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جو چیز نبی و رسول کیلئے شروع میں شانِ نبوت کے لائق نہیں ٹھہری وہ زندگی کے آخری لمحات میں بھی غیر مناسب ہی رہے گی۔ اسی طرح کلام پاک میں آپ ﷺ سے شعرگوئی کی نفی کی گئی ہے3 حالانکہ "جَمِیْعُ مَاکَانَ وَمَایَکُوْنُ "میں تو اشعار بھی داخل ہیں کم از کم نافہموں کا کلی علم غیب کا استدلال تو باطل ٹھہرا۔ اور یہاں یہ سوال بھی بے معنی ہوگا کہ پھر یہ علوم اللہ کو کیونکر معلوم ہیں......؟ خالق کو مخلوق، عابد کو معبود پر

---

1 بخاری شریف جلد2 صفحہ944، مشکوۃ صفحہ116

2 مسلم شریف صفحہ350، سنن نسائی صفحہ273 3 سورۂ یسین آیت69

قیاس کرنا اللہ کی مشیت میں دخل اندازی اور شیطان کی پیروی کے مترادف ہے جس سے احتراز ضروری ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے ایک چڑیا کو دریا کے کنارے پانی پیتے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں میرے اور آپ کے علم کی مثال اس قطرے کی سی ہے جو اس چڑیا نے دریا سے لیا ہے" ۔1 یہ مثال بھی محض سمجھانے کے لئے ہے ورنہ مخلوق کے محدود علم کو خالق کے لامحدود و غیر متناہی علم کے ساتھ کوئی نسبت اور تقابل ہو ہی نہیں سکتا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک جنگ کے موقع پر جوتے پہن کر نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک جوتے اتار کر بائیں طرف رکھ دیئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کی پیروی میں اپنے جوتے اتار دیئے۔ نماز کے اختتام پر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: تمہیں جوتیاں اتارنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہم نے آپ کی پیروی میں ایسا کیا ہے۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ان جبرائیل اتانی فاخبرنی ان فیهما قذرا ۔2 "بیشک جبرئیل (علیہ السلام) میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے یہ خبر دی کہ میرے جوتوں میں گندگی لگی ہے"۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہ تھے۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کا جواب بھی دیکھیے! یہ نہیں کہا کہ آپ سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود ہم سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟ ملا علی قاری رحمۃ

---

1 بخاری شریف جلد2 صفحہ688 2 ابوداؤد صفحہ95، مشکوۃ صفحہ73

اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں آنحضرت ﷺ کو تاخیر سے خبر دینے سے مقصود امت کو آگاہ کرنا ہے کہ آپ ﷺ علمِ غیب نہیں رکھتے مگر جتنا کہ آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے خبر دیدی جائے۔1

آنحضرت ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی معیت میں ایک غزوے سے واپس ہوئے اسی رات آپ کی اونٹنی گم ہوگئی تو ایک منافق نے کہا یہ کس طرح عالم الغیب ہونے کا دعوی کرتا ہے حالانکہ اسے یہ تک معلوم نہیں کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے؟ اتنے میں جبرئیل امین علیہ السلام تشریف لائے اور خبر دی۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کرکے فرمایا:

☆ما ازعم انی اعلم الغیب ولکن الله اخبرنی بقول المنافق وبمکان ناقتی وھی الشعب وقد تعلق زمامھا بشجرۃ۔2	"میں یہ تو نہیں کہتا کہ میں عالم الغیب ہوں لیکن اللہ تعالی نے مجھے منافق کی بات اور اونٹنی کے مقام کی خبر دی ہے کہ فلاں گھاٹی میں اس کی باگ درخت سے اٹک گئی ہے"۔

جب صحابہ رضی اللہ عنہم اس گھاٹی کی طرف دوڑے تو اونٹنی کو اسی حالت میں پایا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے متعلق عالم الغیب ہونے کا گمان منافقین کا تھا۔ جب آپ ﷺ نے اس کی نفی فرما دی اور منافق نے حقائق کا مشاہدہ کرلیا تو راہ راست پر آگیا اور مسلمان ہوگیا۔

آنحضرت ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو انصار مدینہ کو نر اور مادہ کھجور کے درختوں میں تأبیر (ایک قسم کا پیوند لگانا) کرتے دیکھ کر ان کی تکلیف کے پیش نظر از راہ

---

1 مرقات شرح مشکوۃ صفحہ237 2 شرح الشفاء صفحہ183

شفقت فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرو تو بہتر ہے۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد میں یہ کاروائی ترک کر دی نتیجتاً اگلے سال پھلوں میں خاصی کمی واقع ہوگئی۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا ذکر آپ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں تو بشر ہوں جب دین کے بارے میں تمہیں کوئی حکم دوں تو لازمی طور پر اسکو لے لو اور جب میں اپنی رائے سے کچھ کہوں تو آخر میں انسان ہوں''۔1

یہ بات ذہن نشین رہے کہ دنیاوی امور سے ناواقفیت باعثِ نقص نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی توجہ ہمیشہ رضائے الٰہی کی طرف مبذول ہوتی ہے البتہ آنحضرت ﷺ کا اقرار یہ ہے کہ ''میں بشر ہوں'' اور وضع بشری کا تقاضا یہی ہے کہ میں غیب نہیں جانتا۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع عام سے فرمایا: ''میں بشر ہوں اور تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لیکر آتے ہو ممکن ہے تم میں کوئی شخص اپنی چرب زبانی سے اپنے جھوٹے مقدمے کو سچا کر دکھائے اور میں غلط فہمی میں اسی کے حق میں فیصلہ کر دوں تو اس کو یوں سمجھے کہ جہنم کی آگ کا ٹکڑا لے رہا ہے لہٰذا میرے سامنے سچی بات کہا کرو''۔2

آپ ﷺ کو علم غیب ہوتے ہوئے حقیقت کے نہ جاننے کا کیا مطلب؟ کیا عالم الغیب پر بھی کوئی بات مخفی رہ سکتی ہے؟ بھلا خود ہی بتلایئے کہ آنحضرت ﷺ کی اپنی ذات سے نفی فرمانے کے بعد کسی اور کی بات کیونکر قابل قبول ہوسکتی ہے؟

---

1 مسلم شریف جلد 2 صفحہ 688، مسند احمد صفحہ 223   2 ترمذی شریف جلد 1 صفحہ 281

فقہائے احنافؒ اور عقیدۂ علم غیب

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب کے موضوع پر آخر میں فقہائے احناف رحمہم اللہ کے فتاوی جات پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے، احناف کی مشہور کتاب میں ہے:

وذکر الحنیفہ تصریحا بالتکفیر باعتقادان النبی ﷺ یعلم الغیب [1]

''حضرات علمائے احنافؒ نے صراحت کے ساتھ یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ کے عالم الغیب ہونے کا اعتقاد رکھنا خالص کفر ہے''۔

علامہ قاضی خان حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جس شخص نے کسی عورت سے گواہوں کے بغیر نکاح کیا اور کہا کہ ہم خدا اور رسول ﷺ کو گواہ بناتے ہیں تو وہ کافر ہو جائے گا''۔[2]

وجہ یہ لکھی ہے کہ اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھا اور یہ عقیدہ غیر اسلامی ہے کیونکہ آپ ﷺ جب زندوں میں تھے تو غیب نہیں جانتے تھے تو اب کس طرح جاننے لگے......؟

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ وہ محقق دوراں ہیں کہ دونوں فریق آپ کے معترف ہیں اور اختلافی مسائل میں آپ کی بات سند کا درجہ رکھتی ہے، آپ فرماتے ہیں:

''جان لو کہ حضرات انبیاء علیہم السلام غیب کی چیزوں کا علم نہیں رکھتے مگر جتنا کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ انہیں دیدیتا ہے اور حنفی علماء نے وضاحت کی ہے کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ آنحضرت ﷺ غیب جانتے ہیں تو وہ کافر ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم ﴿قُلْ لَّایَعْلَمُ الْغَیْبَ...... الخ﴾ کا معارضہ کیا ہے''۔[3]

---

1 مسائرہ صفحہ 88   2 فتاوی خانیہ صفہ 883

3 شرح فقہ اکبر صفحہ 185

خلاصۂ کلام:

اللہ تعالیٰ کو ہر شئے کا کلی ومحیط علم ہے وہ جن امور کی اطلاع انبیاء علیہم السلام یا اولیاء کرام کو دیتا ہے ان پر غیب کا اطلاق ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ آنحضرت ﷺ کے علوم مبارکہ کی وسعت کا اندازہ کسی کے بس میں نہیں لیکن قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ عالم الغیب نہیں۔ آپ ﷺ نے لاعلمی میں زہر کھایا ہے اور شہد کے نہ کھانے کی قسم کھائی ہے اسی طرح بدر کے قیدیوں کے فدیے، کھجور کے درختوں میں پیوندکاری سے روکنے، منافق کے جنازے میں شرکت، روسائے مشرکین کے حق میں بددعا کرنے میں آپ کی رائے ٹھیک نہ تھی اور رائے کا صحیح وغلط ہونا وضع بشری ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ نہ تو آپ ﷺ کے علوم، علوم الٰہی کے مساوی ہیں اور نہ ہی قرآن وحدیث اور فقۂ حنفی کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو عالم الغیب کہنا جائز ہے اور یہی عقیدہ اعتدال پر مبنی اور آپ ﷺ کی شان کے عین مطابق ہے ورنہ تو آپ ﷺ کو عالم الغیب ماننے سے وحی کا انکار لازم آئے گا۔


عقیدہ
حاضر و ناظر

حاضر وناظر کا مفہوم:

حاضر کے معنی ''موجود'' اور ناظر کے معنی'' دیکھنے والے'' کے ہیں جب دونوں کو ملا کر استعمال کیا جائے تو اس سے ایسی ہستی مراد ہو گی جس کا وجود کسی خاص جگہ میں نہیں بلکہ بہ یک وقت ساری کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہو اور ہر شئے کے اول تا آخر تمام حالات اس کی نظر میں ہوں یہ صفت بھی اللہ تعالیٰ کیساتھ خاص ہے، چنانچہ کلام پاک میں ہے:

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا[1]

''اور وہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے''۔

ظاہر ہے ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کے لئے محیط ہونا ضروری ہے اور محیط وہی ذات ہے جو ہر آن وہر جا بے مثل طور پر موجود ہے۔ اسی کا علم تمام وکامل ہے اور اسی کی شان درجۂ کمال تک پہنچی ہوئی ہے۔

قرآن کی رو سے حاضر وناظر کون ہے......؟

اللہ تعالیٰ اپنا تعارف اس طرح کرواتا ہے کہ کوئی دو افراد سرگوشی نہیں کرتے مگر تیسرا اللہ ہوتا ہے۔ وہ کسی بھی وقت ہم سے غائب نہیں اور ہر ظاہر اور چھپے عمل کو دیکھ رہا ہے:

هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا[2]

''لوگ جہاں کہیں ہوں وہ اللہ ساتھ ہی ہوتا ہے''

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دریافت فرمارہا ہے:

أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ[3]

''کیا آپ کے پروردگار کا ہر چیز سے واقف وآگاہ ہونا کافی نہیں''۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ہمہ گیری وہمہ بینی کو یوں بیان فرمایا ہے:

---

1 سورہ نساء آیت126 2 سورۃ مجادلہ آیت 7

3 سورہ حم سجدہ آیت53

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ؀[1]

''وہ اللہ تمہارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم کہیں بھی ہو اور جو تم کرتے ہو اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے''۔

ایک اور مقام پر فرمایا کہ اللہ ہر وقت اور ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے تمہارا کوئی عزم و ارادہ، فکر و خیال یا حرکت و عمل اسکے علم سے باہر نہیں۔

وَمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ؀[2]

''اور ہم غائب تھوڑا ہی ہیں''۔

اللہ تعالیٰ جس شان سے حاضر اور جس مرتبے کا ناظر ہے یہ اسی کو زیبا ہے۔ دیگر صفات باری تعالیٰ کی طرح ہر جگہ اور ہر وقت حاضر ہونا اور تمام حالات کا مشاہدہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے یہ صفت کسی اور میں نہیں ہو سکتی۔ بندوں کے ظاہری و پوشیدہ اعمال، دلوں کے بھید، آسمان و زمین کے چھپے ہوئے راز سب اللہ کے علم میں حاضر ہیں اور وہ سب کو ناظر ہے:

وَاِنَّ رَبَّكَ ...... السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؀[3]

''اور بیشک تمہارا رب سینوں میں چھپی اور ظاہری بات کو خوب جانتا ہے۔ اور آسمان و زمین میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں''

تمام مخلوقات میں ہر اعتبار، ہر زاویئے اور جہت سے نبی اکرم ﷺ کا مقام سب سے اونچا و افضل، اشرف و اعلیٰ ہے۔ مگر بایں ہمہ آپ ﷺ ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو دنیا میں بیشمار جگہیں اور چیزیں ایسی بھی ہیں جہاں آپ ﷺ کو حاضر و ناظر تسلیم کرنا نری توہین و تحقیر کہلائے گی۔ کیونکہ وہاں ہم جیسے گنہگار آدمی کی موجودگی یا انہیں دیکھنا بھی باعث عیب ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بارے میں سب امتی جانتے ہیں کہ آپ ﷺ روضۂ اطہر میں آرام فرما ہیں اور دنیا بھر سے مشتاقان زیارت

---

1 سورہ حدید آیت 4 — 2 سورہ اعراف آیت 7

3 سورۃ نمل آیت 75

وہاں حاضری دیتے ہیں۔ اگر حاضر و ناظر سے یہ مراد ہو کہ آپ ﷺ کی روح مبارک کو اجازت ہے کہ جہاں چاہے تشریف لے جائے تو اس سے آپ ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا قطعاً لازم نہیں آتا۔ مثلاً پاکستان کے ہر شہری کو اجازت ہے کہ وہ ملک کے جس حصے میں جب چاہے جا سکتا ہے۔ کیا ہر پاکستانی حاضر و ناظر ہے؟ اب ہم قرآن و حدیث سے ماخوذ دو بڑے واقعات کے تناظر میں مسئلہ حاضر و ناظر پر روشنی ڈالیں گے۔

معراج کا واقعہ:

آنحضرت ﷺ معراج کی شب مکہ سے مسجد اقصیٰ پہنچے وہاں تمام انبیاء علیہم السلام صف بندی کیے آپ ﷺ کے منتظر تھے۔ امام الانبیاء ﷺ نے امامت کروائی پھر وہاں سے آسمانوں کی طرف سفر شروع ہوا۔ اللہ عزوجل نے اس معجزے کے منجملہ مقاصد میں سے ایک یہ بھی ذکر فرمایا ہے:

لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا [1]

"تاکہ ہم آپ (ﷺ) کو دلائل قدرت دکھلائیں"۔

اللہ تعالیٰ نے واقعہ معراج کو ذکر کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے لئے "سیر" اور "دکھلانے" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ سیر کے لئے ضروری ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جایا جائے لہٰذا آپ ﷺ کے ہر جگہ حاضر ہونے کی نفی ہوگئی اور دکھلانے کے لئے ضروری ہے کہ ایسی چیز دکھائی جائے جو پہلے سے نہ دیکھی ہو اور نہ فی الوقت مشاہدے میں ہو۔ لہٰذا آپ ﷺ کے ہر ایک کو ناظر ہونے کی نفی ہوگئی۔ کلام پاک میں جہاں آنحضرت ﷺ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی نفی کی گئی ہے وہاں ان صفات کو شد و مد کے ساتھ اللہ کے لئے ثابت بھی کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیتِ علمی کی شان یہ ہے کہ وہ ہر وقت ہر ایک کی آواز کو سنتا اور ہر شئے کو دیکھتا ہے۔

1 سورہ بنی اسرائیل آیت 1

صلح حدیبیہ کا واقعہ:

۶ ھ میں آنحضرت ﷺ سفر عمرہ کی نیت سے مکہ کی طرف چلے تو راستے میں قریش مکہ حائل ہو گئے پھر صلح حدیبیہ کی صورت میں واپس لوٹنا پڑا۔ سوال یہ ہے کہ سفر عمرہ سے قبل آنحضرت ﷺ مکہ میں تھے یا مدینے..... ؟ ہر جگہ حاضر و ناظر ہستی کو کسی جگہ روکنے کے کیا معنی..... ؟ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش نے روک لیا تو آپ کے قتل کی افواہ پھیل گئی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (جو آپ کے سفیر کی حیثیت سے گئے تھے) کے قتل ناحق کا بدلہ لینے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت جہاد لی جسے کلام پاک نے ''بیعت رضوان''[1] سے تعبیر کیا ہے ذرا سوچیے کہ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہستی کو کیونکر معلوم نہ ہو سکا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خیر و عافیت سے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ جب شیطان سے پچھلی امتوں کی طرح رسول علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنانا یا رب العالمین سے کسی بھی طرح کا خاندانی رشتہ جوڑنا ممکن نہ رہا تو اس نے دوسرے حربے استعمال کرنا شروع کر دیے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں جال بچھاتا چلا گیا اور مسلمان عشق رسول علیہ السلام کے دھوکے میں شیطانی جال میں پھنستے چلے گئے جبکہ قرآن کی تعلیمات سے پتا چلتا ہے کہ اللہ ہی کی ذات ہے جو ہر جگہ موجود ہے یہ صفت اللہ کے سوا کسی اور مخلوق میں ہو نہیں سکتی۔

تصویر کا دوسرا رخ:

بعض فہم و تدبر سے عاری لوگوں نے عقائد کے نام پر عجب گورکھ دھندہ بنا رکھا ہے یا تو انہیں عقل نہیں یا تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں۔ کبھی دعویٰ ہے کہ آپ ﷺ ہر

---

1 سورہ فتح آیت10

وقت ہر ایک کے لئے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ کبھی کسی خاص وقت میں حاضرین مجلس کو حکم دیتے ہیں کہ اب آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے ہیں باادب کھڑے ہو جاؤ اور قیام کرو۔ ارے بھئی جب آپ ﷺ ہر جگہ موجود ہی ہیں تو تمہاری مجلس میں کہاں سے تشریف لائے؟ وہ تو پہلے ہی سے موجود تھے۔ کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا آن واحد میں جسم اطہر کے ساتھ لاتعداد مقامات پر موجود ہونا بعید نہیں ہے۔ دعویٰ تو بہت بڑا ہے مگر اس پر قرآن یا حدیث سے کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔

بعض افراد تو اولیاء اللہ سے متعلق بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ ہمیں ان کی سخاوت پر تعجب ہے کہ کس فیاضی سے اللہ عزوجل کی صفت یکتا کو مخلوق میں تقسیم کرتے پھرتے ہیں۔ نہ معلوم یہ تعلیمات کہاں سے اخذ کی گئی ہیں؟ کتاب وسنت اور عقل وفراست سے تو ان کا کوئی ربط وضبط نہیں۔

حضور ﷺ کو حاضر ناظر ماننے کا نقصان:

سب سے پہلے تو یہ فیصلہ کیا جائے کہ حضور ﷺ حاضر و ناظر کب تھے، نبوت سے پہلے یا نبوت ملنے کے بعد؟ حضور ﷺ کی زندگی دو حصوں میں تقسیم ہے ایک مکی اور دوسری مدنی، ہجرت سے پہلے آپ ﷺ مکہ میں تھے اور ہجرت کے بعد مدینے میں تشریف لے آئے۔ اسی اعتبار سے کلام پاک کی سورتیں مکی یا مدنی کہلاتی ہیں اگر ہم حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھتے ہیں تو ''عالمی سورت'' کہنا پڑے گا۔ بتلایئے کہ ہر جگہ حاضر یعنی موجود اور ہر ایک کو ناظر یعنی دیکھنے والی ہستی کے لئے ہجرت کے کیا معنی؟ لامحالہ آپ ﷺ کو حاضر و ناظر ماننے سے ہجرت کا انکار لازم آئے گا۔ کیا آپ نے بھی یہ سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہر مقام پر اپنی شان کے ساتھ موجود ہے اس نے ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کی ہو؟ صحیح احادیث میں ہے کہ دوران ہجرت مقام رابغ پر آکر

آنحضرت ﷺ کا جی بھر گیا اور آنسو گرنے لگے۔ رفیق سفر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بیت اللہ یاد آ رہا ہے۔ بخدا اگر میری قوم مجھے ہجرت پر مجبور نہ کرتی تو میں مکّہ چھوڑ کر کبھی نہ جاتا۔ کیا ہر جگہ موجود اور دیکھنے والے کو بھی جدائی کا احساس ہوتا ہے؟ اگر آپ ﷺ حاضر و ناظر ہی تھے تو مکہ میں بھی تھے مقام رابغ پر بھی اور مدینہ میں بھی تو کیا نعوذ باللہ وہ مقدس آنسو افسانوی تھے؟ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ایک ہی وجود رکھتے تھے۔ جب وہ مدینہ منورہ میں موجود ہوتے تھے تو بدر میں ان کا وجود نہیں ہوتا تھا ورنہ بدر کی طرف سفر کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اسی طرح خیبر، حنین اور تبوک وغیرہ کے اسفار نیز، اور بھی دوسرے حقائق وواقعات اس غیر اسلامی عقیدے کی تردید کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا مدینہ طیبہ کی ایک گلی سے دوسری گلی، ایک ایک سردار کے پاس دعوت اسلام لیکر جانے کا کیا مطلب ؟

نیز آپ ﷺ جب حجرہ مبارک میں تشریف فرما ہوتے تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم باہر مسجد میں آپ ﷺ کا انتظار کیا کرتے تھے۔ بتلایئے کہ آنحضرت ﷺ کا حجرہ سے مسجد کی طرف چل کر آنا کیا معنی رکھتا ہے؟

حضور ﷺ کا حج وعمرہ اور اعتکاف:

آنحضرت ﷺ نے عمرے بھی کیے اور حج بھی۔ مدینہ سے چل کر مکّہ تشریف لے گئے اگر آپ ﷺ بیک وقت مدینہ میں بھی تھے اور مکہ میں بھی تو عمرہ کس طرح ہوا......؟ ارکان حج میں سے ہے کہ وقوف عرفات کے دن کوئی شخص مکّہ، مدینہ یا منیٰ میں ہوگا تو اس کا حج ہرگز قبول نہ ہوگا اب بتلایئے کہ اگر نبی کریم ﷺ بیک وقت منیٰ میں بھی تھے اور مزدلفہ میں بھی، عرفات میں بھی تھے اور مکّہ و مدینہ میں بھی تو حج کس طرح ادا ہوا......؟ فیصلہ آپ پر ہے یا تو اس بے سرو پا عقیدہ کو چھوڑ دو یا ہمت کر کے

کہہ دو کہ آپ ﷺ نے تمام عمر حج وعمرہ ہی ادا نہیں کیا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان المبارک کا اعتکاف بھی کیا ہے۔ کیا ہر جگہ حاضر وناظر کا عقیدہ ہوتے ہوئے مسجد میں اعتکاف کا تصور کیا جا سکتا ہے.....؟

نماز جنازہ کی جو دعا حدیث میں مذکور ہے اس میں "وشاھدنا وغآئبنا"[1] کے الفاظ ہیں یعنی اے اللہ! جو موجود ہیں ان کو اور جو موجود نہیں ہیں ان کو بھی بخش دے۔ واضح ہوا کہ ایک انسان ایک وقت میں یا تو حاضر ہوگا یا غائب۔ ایک ہی وقت میں دونوں کا اجتماع محال ہے۔

نماز خوف کا طریقہ جو قرآن نے بتایا ہے اس سے بھی آپ ﷺ کے حاضر وناظر ہونے کی واضح طور پر نفی ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ ......الخ[2]

"اور جب آپ (ﷺ) ان کے درمیان موجود ہوں"

حضور ﷺ کا محفل میں تشریف لانا:

اگر کسی متعین جگہ مثلاً کھارادر کا دعویٰ کیا جائے کہ وہاں محفل میلاد پر آنحضرت ﷺ تشریف لاتے ہیں تو یہ فقط ایک دعویٰ ہی ہے جس کی کوئی شرعی دلیل نہیں لہٰذا بے بنیاد دعویٰ باطل ومردود ٹھہرا۔ فرض کریں ایک ہی وقت میں دنیا میں ہزاروں محافل میلاد منعقد ہیں ان سب میں بیک وقت حضور ﷺ کس طرح اور کیوں کر تشریف لائیں گے.....؟ کیا یہ مذاق نہیں کہ آپ ﷺ ایک قدم اس محفل میں ہیں پھر دوسری میں پھر تیسری میں اپنے جسم مبارک کے ساتھ کئی مقامات پر موجود ہوں۔ اور پھر اس دوران جو مسلمان آپ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام کا تحفہ پیش کریں گے اسے کون وصول کریگا؟ وہاں بھی کسی نائب کا تقرر کیا جانا ضروری ہے۔

---

1 مشکوۃ صفحہ 140   2 سورۂ نساء آیت 102

پھر یہ بھی بتلایا جائے کہ اگر آنحضرت ﷺ مجلس میلاد میں تشریف لاتے ہیں تو کب اور کس وقت آتے ہیں؟ اس کا ثبوت کسی کے پاس نہیں اگر شروع ہی میں آجاتے ہیں تو پوری میلاد میں کھڑے ہی رہنا چاہیے اگر درمیان میں آتے ہیں تو آدھی بیٹھ کر اور آدھی کھڑے ہوکر پڑھنی چاہیے۔ اس کا ثبوت کہاں ہے کہ مجلس کے ختم پر ہی آتے ہیں.....؟ اور پھر آپ ﷺ خود تشریف لاتے ہیں یا پڑھنے والوں کی چاہت سے آتے ہیں ؟ بظاہر تو اہل محفل اپنی مرضی پر کھڑے ہوتے ہیں اور اپنی مرضی سے بیٹھ جاتے ہیں۔ کبھی محفل میلاد جلدی ختم ہو جاتی ہے اور کبھی آدھی رات یا صبح تک اختتام ہوتا ہے یعنی جب چاہیں قومی ترانے کی طرح قیام کریں اور نبی کریم ﷺ کو بلالیں گویا آپ ﷺ ان کے تابع ٹھہرے۔ جب آنحضرت ﷺ اپنی حیات میں ہر جگہ حاضر و ناظر نہ تھے تو بعد الوفات کیسے ہو گئے؟ کیا آنحضرت ﷺ کے بارے میں حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھنے والے خود کو ''صحابی'' کہلوانا چاہتے ہیں؟ اور پھر ایک نظر آج کل کی محافل پر بھی ڈال لی جائے۔ تفصیل میں جائے بغیر صرف ایک بات کہہ دیتے ہیں کہ معدودے چند افراد کے علاوہ کتنے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے لباس اور چہرے سنت رسول ﷺ میں ڈھلے نظر آتے ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ معصیت کی کثرت پر نبی ﷺ کی معیت کے خالی خولی دعوے کچھ زیب نہیں دیتے۔

کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حاضر و ناظر ہونے کی صفت کو یوں بیان فرمائی ہے کہ ہر لحظہ و ہر گھڑی وہ تمام مخلوقات کے احوال سے واقف ہوتا ہے:

وَلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا [1]

''اور تم لوگ جو کام بھی کرتے ہو بہر حال ہم برابر تم پر مطلع اور نگہبان ہوتے ہیں''۔

---

1 سورہ یونس آیت61

قرآنی آیت کے برخلاف کچھ نا سمجھ لوگوں نے تو محض اپنا بے سرو پا عقیدہ ثابت کرنے کیلئے بڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ حاضر و ناظر ہونا اللہ کی صفت ہی نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ کے ننانوے (۹۹) اسمائے حسنیٰ میں سے نہیں ہے۔ یہ مجددانہ مغالطہ پرلے درجے کی گستاخی، سراسر علم سے دوری اور نفس پرستی کا مظہر ہے۔ گویا اس بات کا اعلان ہے کہ ہم اپنا دورنگی عقیدہ چھوڑنے پر آمادہ نہیں خواہ قرآن وحدیث کے اصول ٹوٹتے ہیں تو ٹوٹ جائیں۔ تمام علماء کرام کا اتفاق ہے کہ اللہ جل شانہ کے نام یہی ۹۹ نہیں، چنانچہ مسلم شریف کے شارح علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پانچ ہزار وہ نام ہیں جو قرآن کریم، صحیح احادیث اور سابقہ آسمانی کتابوں میں نازل کئے گئے ہیں۔1 نیز امام رازی فرماتے ہیں: ''علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے (۱۰۰۰) نام مشہور و معروف ہیں''2 اس کے علاوہ اوپر ذکر کردہ آیتوں جو دو لفظ واقع ہوئے ہیں وہ اسماء حسنیٰ میں شمار ہوتے ہیں۔

الشہید: یعنی اپنے علم محیط کے ساتھ ہر جگہ اور ہر گھڑی حاضر اور موجود۔

البصیر: یعنی اپنی قدرت کامل کے ساتھ ہر جگہ ہر گھڑی ناظر اور دیکھنے والا۔3

ام الاحادیث ''حدیث جبرائیل'' میں جب آنحضرت ﷺ سے صفت احسان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔4

''اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے''۔

یعنی کوئی شخص دنیا کے کسی کونے میں، کسی زمانے میں اور کسی وقت بھی عبادت کرے تو وہ اپنے دل پر اللہ کا دھیان جمائے کہ یقیناً اللہ میرے ساتھ ہے گویا ہر شخص اللہ کو ہر جگہ

---

1 مسلم شریف جلد2 صفحہ322 2 مشکوۃ صفحہ199

3 بخاری شریف جلد1 صفحہ18، مشکوۃ صفحہ11 4 تفسیر کبیر جلد1 صفحہ3

دیکھنے پر قادر ہے معلوم ہوا کہ اللہ ہر جگہ حاضر ہے۔ اور وہ اپنے بندوں کے اعمال پر ہر لحظ و ہر لمحہ اور ہر مقام پر نگاہ رکھے ہوئے ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ ہر ایک کو ناظر بھی ہے۔

اللہ کا حاضر و ناظر ہونا عقل کی میزان میں:

یہ بات عقلی طور پر بھی ثابت ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی یہ صفت حاضر و ناظر نہ ہوتو اس کی مخلوق بھوک وافلاس سے مر جائے، کسی مریض کو شفاء نہ ملے، ہر ظالم ظلم کرتا رہے نہ کوئی پوچھنے والا ہو اور نہ اسے کسی کا ڈر ہو۔ اللہ کا نافرمان اس دنیا میں بھی عیش کرے اور آخرت میں بھی پر سکون رہے۔ نیز اللہ کا حاضر و ناظر ہونا اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ مخلوق کے احوال وافعال اور اعمال سے واقف ہو کیونکہ اسی نے روز قیامت حساب وکتاب لینا ہے۔ مخلوق اگر چہ اپنے کاموں میں منہمک ہو خواہ اسے اللہ کا تصور آئے یا نہیں البتہ اللہ اس کو برابر دیکھ رہا ہے:

إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ [1]

''بیشک وہ اللہ اپنے بندوں کی ہر طرح خبر رکھتا ہے اور دیکھتا ہے''

یعنی اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے عرش پر مستوی ہے مگر اپنے علم واقتدار اور تصرف واختیار کے اعتبار سے ہر جگہ موجود ہے۔ کوئی شئے بھی اس کے علم، خبر، سماعت اور بصارت سے اوجھل نہیں ہوسکتی اگر یہ نہ مانا گیا تو عقیدۂ آخرت پر زد آئے گی۔ اس کے مقابلے میں حضور ﷺ کی ڈیوٹی اور مشن ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ملنے والے احکامات بندوں تک پہنچائیں اس کے لیے نہ عالم الغیب ہونا ضروری ہے نہ حاضر وناظر ہونا۔ کیونکہ نہ تو آپ ﷺ کو کسی امتی سے حساب لینا ہے، نہ جزا وسزا دینا آپ کی ذمہ داری ہے اور نہ ہی آپ ﷺ سے کسی کی گمراہی پر باز پرس ہوگی۔ قرآن کے مطالعہ سے یہی بات عیاں ہوتی ہے:

---

1 سورہ شوری آیت 27

﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾[1]

''بہر حال آپ (ﷺ) کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے اور ہمارا ان سے حساب لینا تو وہ ہمارے ذمہ ہے''۔

ایک اور مقام پر اللہ پاک نے واضح طور پر جناب رسول اللہ ﷺ سے عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہونے کی نفی فرمائی ہے:

﴿وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾[2]

''اور مدینے والوں میں کچھ ایسے منافق بھی ہیں جو نفاق کی حد کمال کو جا پہنچے ہیں۔
آپ (ﷺ) ان کو نہیں جانتے بلکہ ہم جانتے ہیں''۔

گویا کہ اس آیت میں اللہ نے اصول بتلایا ہے کہ نہ آنحضرت ﷺ کو عالم الغیب کہا جائے اور نہ ہر جگہ موجود اور ہر ایک کی خبر رکھنے والا سمجھا جائے۔ یہ منافقین دور کے نہیں بلکہ قریب کے رہنے والے تھے جن سے ہر وقت واسطہ پڑتا رہتا تھا۔ جب تک اللہ نے آپ ﷺ کو ان کی خبر نہ دی آپ کو خبر نہیں ہوئی۔ کچھ کور مغز لوگوں نے کلمہ طیبہ سے بھی استدلال کر لیا کہ اس میں ''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں'' آتا ہے ''تھے'' تو نہیں۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ حاضر و ناظر ہوئے تو بھائی! رسالت تو تا قیامت باقی ہے اس سے کس نے انکار کیا ہے؟ کیا باپ کے دنیا سے جانے پر اس کے باپ ہونے کی صفت ختم ہو جاتی ہے؟؟

نبی کریم ﷺ کا ہر جگہ حاضر و ناظر نہ ہونا کمالِ نبوت ہے۔ چنانچہ کلام پاک میں ہے:

﴿وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ ...... وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾[3]

''اے نبی! (ﷺ) آپ کوہِ طور کے پیچھے کی طرف موجود نہ تھے
جب ہم نے موسیٰ کو پیغمبر بنایا اور نہ آپ وہاں حاضر تھے''

---

1 سورہ رعد آیت 40 2 سورہ توبہ آیت 101 3 سورۂ قصص آیت 44

آنحضرت کوحاضروناظر ماننے والافریق تین دلائل پیش کرتا ہے جو درحقیقت غلط فہمی اورکم علمی پرمبنی ہیں۔آیئے ان مغالطوں کا جائزہ لیں:

پہلا مغالطہ(حضور ﷺ امت پر گواہ ہیں)

کلام پاک میں ہے:

﴿وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ [1]

''اور رسول(ﷺ)تم پر گواہی دیں گے''

فریق ثانی کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ امت کے احوال کی گواہی اسی صورت میں دے سکتے ہیں جب آپ ﷺ حاضر و ناظر ہوں۔ یہ بات محض غلط فہمی کی بنا پر ہے۔قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں گواہ کے لئے خود اصل واقعہ کا دیکھنا اور معائنہ کرنا ضروری نہیں۔کسی معتبر شخص کے بتلانے پر یا کسی معقول وجہ جیسے وحی وغیرہ سے معلوم ہوجانے پر بغیر دیکھے بھی گواہی دی جاسکتی ہے۔فقہائے احناف نے وضاحت کی ہے کہ بہت سے معاملات مثلاً نسب،موت،نکاح وغیرہ کی شہادت بن دیکھے بھی درست ہے۔[2]

ہر مؤذن اپنی اذان میں کلمۂ شہادت پڑھتا ہے اور ہر مومن کلمہ شہادت کا اقرار کرتا ہے۔کیا اس نے اللہ کو یا جبرئیل علیہ السلام کو اللہ کے رسول ﷺ پر وحی لاتے ہوئے دیکھا ہے؟اگر نہیں تو بتلایئے کہ یہ شہادت کس طرح درست ہوئی ؟ یا ہر مؤذن اور ہر کلمہ گو حاضروناظر ہے۔دوسرے یہ کہ گواہی اعمال پر نہیں بلکہ اس امر پر ہوگی کہ خالق کا پیغام مخلوق تک پہنچایا گیا تھا یا نہیں؟اور اس کے لیے حاضر و ناظر ہونا قطعا ضروری

---

1 سورہ بقرہ آیت143 2 قدوری صفحہ225

نہیں۔ اگر لفظ شاھد وشھید سے آنحضرت کو حاضر وناظر ماننے پر اصرار ہی ہے تو پھر قرآن میں یہ الفاظ مومنین کے لئے بھی استعمال ہوئے ہیں۔ بیشمار آیات میں سے ایک یہ ہے:

﴿فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾[1]

''سوائے اللہ! تو ہمیں گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ دے''۔

یہاں مومنین کی دعا ہے کہ ہمارا شمار ان لوگوں میں کر دیجیے کہ جو اللہ کی وحدانیت اور پیغمبروں کے احکام لوگوں تک پہنچانے کی گواہی دیتے ہیں مومنین کی دعا کی یہ غرض ہرگز نہیں کہ اے اللہ! ہمیں حاضر وناظر شمار کر لیجیے۔

دوسرا مغالطہ (حضور ﷺ قبروں میں تشریف لاتے)

قبر میں یہ سوال ہوگا ''مَا تَقُوْلُ فِیْ حَقِّ هٰذَا الرَّجُلِ '' یعنی تم اس شخص (محمد ﷺ) کے بارے میں کیا کہتے ہو......؟ ان کے کہنا ہے کہ ملائکہ جب اشارہ کرتے ہیں تو آپ ﷺ بنفس نفیس اس قبر میں موجود ہوتے ہیں۔ کیونکہ ''ھٰذا'' اشارۂ قریب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جب آپ ﷺ اس قدر قبروں میں جا سکتے ہیں تو ہماری محفل میلاد میں کیونکر حاضر وناظر نہیں ہو سکتے......؟

میرے عزیز! اصل میں یہ کوئی قاعدے کی بات نہیں کہ ھٰذا ہمیشہ قریب کے لئے ہی ہوگا، چنانچہ کلام پاک میں ہے:

﴿هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ﴾[2]

''یہ جنت ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا''۔

---

1 سورہ آل عمران آیت53   2 سورہ ق آیت32

کیا جنت بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہے.....؟ علامہ قسطلانی اس مسئلے میں فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی یا مقام مشہور و معروف ہو جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہو اسے خطاب کے الفاظ کے ساتھ تعبیر کر دیتے ہیں اگر چہ دور ہو اور آنحضرت ﷺ کی شخصیت ہی ایسی شان والی ہے کہ اشارے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ اور پھر اس مسئلہ پر ذرا عقل سے سوچا جائے کہ دن میں کتنی اموات ہوتی ہیں؟ کوئی پانی میں ڈوب گیا کوئی جل کر راکھ ہو گیا، کوئی کسی زمین میں دفن ہوا اور کوئی کسی میں۔ مرنے والا مومن بھی ہے، کافر بھی یہ گستاخی نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ ﷺ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبر میں بھی لے جایا جائے اور ابوجہل لعین کی قبر میں بھی۔ یہ تکریم نہیں نری توہین ہے۔ کافر کو قبر میں یقیناً عذاب سے واسطہ پڑے گا جبکہ ہمارا ایمان ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ذات باعث امن و رحمت اور رد افع عذاب و بلا ہے۔ آپ جہاں چلے جائیں وہاں عذاب کا نام و نشان تک نہیں ہو سکتا۔

تیسرا مغالطہ (ہم التحیات میں حضور ﷺ کو حاضر کہتے ہیں)

التحیات میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ" پڑھا جاتا ہے جس کے معنی ہیں کہ۔ اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ پر سلامتی ہو۔ یہاں آپ ﷺ سے براہ راست خطاب ہے لہذا آپ ﷺ حاضر و ناظر ہوئے۔

یہ دعویٰ بھی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس مسئلہ میں فرماتے ہیں:

"چونکہ آنحضرت ﷺ معراج میں اللہ کے روبرو حاضر تھے اس لئے اللہ نے آپ کو مخاطب کیا تھا اور آپ ﷺ نے امت کو تعلیم دیتے وقت جس طرح اللہ سے سنا تھا اسی طرح برقرار رکھا اور امت تک پہنچا دیا"۔[1]

---

1 مکتوبات شیخ صفحہ 316

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احتیاط:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے:"جب تک آنحضرت ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے ہم السلام علیک ایھا النبی پڑھا کرتے تھے مگر جب آپ ﷺ کا وصال ہوگیا تو ہم اس کے بجائے "السلام علی النبی" کہنے لگے۔ البتہ بعد میں رجوع کرلیا کہ ہم آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں کونسا آپ کو سنانے کی نیت سے پڑھتے تھے؟"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسقدر احتیاط برتنے کا مقصد یہ عقیدہ واضح کرنا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے خطاب کا صیغہ اس وجہ سے استعمال نہیں کیا جاتا کہ آپ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں بلکہ التحیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ تہنیتی و تحسینی الفاظ بطور حکایت مذکور ہیں جو معراج کے موقع پر حضور ﷺ سے کہے گئے تھے۔ اس میں سننے یا سنانے والی کوئی بات نہ تھی اس کی مثال اس طرح ہے کہ ہم دور دراز اپنے عزیزوں کو خطوط میں السلام علیکم سے خطاب کرتے ہیں مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب ہمارا خط پہنچ جائے گا تو اس وقت ان سے خطاب ہو جائے گا ورنہ خط لکھتے وقت کوئی انہیں حاضر و ناظر نہیں سمجھتا۔ اس جیسی مثالیں کلام پاک میں بھی ہیں۔ اگر کسی وقت کسی فرد کو اس کی موجودگی میں خطاب ہوا تھا تو آج بھی اسی طرح پڑھا جاتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی گستاخی پر جواب دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا﴾[1]

"اور اے فرعون! میرے گمان میں تو ہلاک ہوا چاہتا ہے"۔

کیا اس سے فرعون کے بھی حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ اخذ کیا جائے گا؟؟

آنحضرت ﷺ پر درود وسلام بھیجنا

حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں بہت سے احکام ارشاد فرمائے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ لیکن کسی حکم میں یہ نہیں فرمایا کہ میں بھی یہ کام کرتا ہوں لہٰذا تم بھی کرو۔ یہ اعزاز واکرام صرف سید الکونین فخر دوعالم ﷺ ہی کے لئے ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کی نسبت پہلے اپنی طرف کی پھر اپنے پاک فرشتوں کی طرف کی اس کے بعد مسلمانوں کو اس کا حکم دیا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ؕ
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾[2]

"بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں۔
اے ایمان والو! تم بھی آپ (ﷺ) پر رحمت بھیجو اور خوب سلام بھیجتے رہا کرو"۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت بالا نازل ہوئی تو ہم نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں التحیات کے ذریعے آپ ﷺ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو بتلا دیا ہے اب صلوٰۃ کا طریقہ بھی ارشاد فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ اس طرح پڑھا کرو:

---

1 سورہ بنی اسرائیل آیت102   2 سورہ احزاب آیت56

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاہِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاہِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

آنحضرت ﷺ کی متبرک، قابل احترام اور رحمۃ للعالمین شخصیت کی عظمت کا تقاضا یہی ہے کہ امت کی طرف سے بھیجے گئے درود وسلام آپ ﷺ تک پہنچانے کے لئے اللہ نے قدسی صفات نفوس فرشتے متعین و مامور فرما دیئے ہیں۔ ایک مومن کی متاعِ حیات یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ پر زیادہ سے زیادہ درود وسلام بھیج کر خود کو سعادت مندوں میں شمار

کرائے لیکن اسمیں طریقہ بھی وہی اختیار کیا جائیگا جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہو۔ ذخیرۂ احادیث میں کوئی ایک معمولی درجے کی روایت بھی ایسی نہیں ملے گی جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ میں درود وسلام کو بذات خود، ملائکہ کے واسطے کے بغیر سنتا ہوں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

☆ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔1

''بیشک اللہ کی طرف سے زمین میں کچھ فرشتے اس کام پر مقرر ہیں کہ میری امت کی طرف سے پڑھے گئے سلام مجھے پہنچائیں''

ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں رقمطراز ہیں: یہ اس شخص کے ساتھ خاص ہے جو قبر مبارک سے دور ہو اور یہ خیال بالکل غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک مومنوں کے گھروں میں موجود ہے۔2

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

☆من صل عند قبری سمعتہ ومن صل نائیاً ابلغتہ۔3

''جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھے گا میں اسے خود سنوں گا اور جو مجھ پر دور سے درود پڑھے گا وہ مجھے پہنچا دیا جائے گا''۔

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے امت کو کثرت درود وسلام کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

☆وصلوا علی فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم۔4

''اور مجھ پر بکثرت درود پڑھو کیونکہ تم جہاں سے بھی درود پڑھو گے مجھے پہنچا دیا جاتا ہے''۔

مندرجہ بالا صحیح احادیث اس امر کو واضح کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر نہیں ورنہ قبر مبارک اور دور دراز کے مقام سے درود شریف پڑھنے کا ایک ہی حکم ہوتا نیز اس میں درود وسلام کے قبول ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ فرشتوں نے

---

1 مشکوۃ صفحہ86، سنن نسائی صفحہ143
2- مرقات شرح مشکوۃ صفحہ6
3- مشکوۃ صفحہ87
4- مشکوۃ 86

اسے قبول کیا اور اٹھا کر آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ ادھر ہماری حالت یہ ہیکہ اپنے سلام کو "صبا" کے حوالے کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے ان حضرات کے فرشتے کا نام صبا ہو۔ بعض عقل کے کورے، علم سے عاری لوگ یہاں بھی تاویلات کے ذریعے ذہنی اختراعات کرتے باز نہیں آتے۔ احادیث رسول ﷺ کے ہوتے ہوئے ان کا قیاس ہے کہ اگر ہم یہاں بیٹھے دبئی و فرانس کی خبریں ریڈیو وغیرہ سے سن سکتے ہیں تو ہمارے نبی ﷺ درود کو براہ راست کیوں نہیں سن سکتے.....؟ ہمارا ایمان وہی ہونا چاہیے جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا البتہ ان کی تسلی خاطر کے لئے عرض ہے کہ ریڈیو کی آواز عالم اسباب میں بجلی اور ہوا پر موقوف ہے تو جس طرح بغیر بجلی و ہوا کے بغیر ریڈیو کی آواز نہیں سنی جا سکتی اسی طرح قانون خداوندی ہے کہ بغیر فرشتوں کے آپ ﷺ درود و سلام کو بھی نہیں سن سکتے۔

آجکل کی مروجہ محافل کے نقائص

اللہ تعالیٰ سے ہر آن، ہر گھڑی دعا ہے کہ ہمیں ایسا عشق رسول ﷺ نصیب فرمائے جس کا مظاہرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عملی طور پر کر کے دکھلا گئے کہ امتحانِ محبت میں کامیابی و ناکامی کا معیار یہی ہیکہ دعویٰ محبت اور اظہارِ محبت کے طریقے محبوب کے موافق ہیں یا مخالف؟ سب سے پہلی بات تو یہ کہ مروجہ محافلِ مولود کی بنیاد خیر القرون گزرنے کے بعد 625 ھجری میں ایک جاہل و مسرف بادشاہ نے ڈالی ہے اور وہ بھی صرف ایک محفل کی حد تک تھی (اور نفسِ ذکر ولادت شریف سے کسی کو انکار نہیں کہ یہ تو اعلیٰ ترین عبادت بلکہ روحِ ایمان ہے) لیکن وقت کی فضا سے مطابقت پیدا کرنے اور عوام کے نزدیک جاذب نظر بنانے کے لئے اسے بتدریج ترقی دیتے دیتے انعقاد محفل کا اصل مقصد ظاہری رسوم میں کھو گیا ہے عشق رسول ﷺ کے عنوان سے چوری کی بجلی اور چندے کی جدید صورت (بھتے) سے سجے ہوئے شامیانے محفل کی بجائے میلے کا سماع پیش کرتے ہیں جن میں

مردوزن کا آزادانہ اختلاط، حقوقِ نسواں کی پاسداری میں عورتوں کوسرِ بازار لاکران کی لہلہاتی آواز کا اوباشوں کے کانوں میں پڑنے سے صنفِ نازک کی عفت وعصمت پر حرف آنا، تصویر کشی وموووی بنی، شبینہ وعرس میں قوالیوں کے نام پر جدید مغربی ثقافت کے زیر اثر موسیقی کی شدت وحدت کونغموں میں سموکر اور نعتوں کے اشعار کو ہندوستانی گانوں کی دھن اور قافیہ پیمائی میں تحلیل کر کے یہ قوم گویّوں کے ذریعے اللہ سے اپنا تعلق استوار کرنے کی خواہاں ہے موووی بنوانے کے شوق میں بے وجہ اچھل کود، داد بے داد کے نام پر مال بٹورنا، محفل میں لگی ایک بے نام سی قنات سے ظاہر ہوتا ہے ہیکہ اسٹیج پر بیٹھے مشائخ تمام خواتین کے محرم ہیں۔ کچرے خانے اور بلی کتوں کے فضلات صاف کر کے وہاں بیت اللہ اور روضۂ رسول ﷺ کی شبیہ رکھ کر مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی اور مکۃ المکرمہ اور مدینۃ المنورہ کی حیثیت وعظمت کو گھٹانا، ہر چوک وچوپال پر آنحضرت ﷺ سے منسوب سچی جھوٹی اشیاء کی زیارت کرانے میں طوفان بدتمیزی برپا کرنا اور ان جیسے بیشمار مفاسد داخل وشامل ہیں بلکہ ان خرافات کو مذہبی رسومات کا درجہ دیا جاتا ہے۔ نہ مساجد کے تقدس کا لحاظ ہے نہ مریض وضعیف حضرات کا خیال، جس کسی ہسپتال کے قرب وجوار میں محفل بپا ہو جائے وہاں کے مریضوں کو مرگِ مفاجات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جدت کی طلب میں اپنی اصلیت ہی فراموش کردی گئی ہے۔ ہمارے یہ اضافی ایڈیشن حقیقتِ اسلام کی تصویر بگاڑ رہے ہیں۔

حالانکہ دوٹوک بات یہ ہے کہ عقیدہ حاضر وناضر کی موجودگی میں یوں گلے پھاڑنا اور دھینگا مستی کسی طور پر مستحسن نہیں۔ کلام پاک نے کھلے لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ ''اگر اہلِ ایمان ہو تو نہ نبی ﷺ سے اپنی آواز بلند کرو نہ انہیں آپس میں ایک دوسرے کی طرح پکارو ورنہ تمام اعمال برباد ہو جائیں گے''۔[1]

1 سورہ حجرات آیت2

فیصلہ آپ پر ہے یا تو عقیدۂ حاضر وناظر سے تائب ہو جایئے یا مساجد میں بیٹھ کر بالکل اسی طرح ادب احترام سے درود وسلام کا ہدیہ پیش کیجیے جس طرح کہ مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کے روضہ پاک پر حاضری کے وقت کیفیت ہوتی ہے۔

احادیثِ طیبہ اور عقیدۂ حاضر وناظر

اب ہم احادیث طیبہ کے ذریعے آنحضرت ﷺ کے حاضر وناظر ہونے یا نہ ہونے پر روشنی ڈالیں گے۔

روایات میں ہیکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ (اصحمہ) کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھایا ہے۔[1]

جب آنحضرت ﷺ حاضر وناظر تھے تو جنازہ کیونکر غائب تھا......؟ کیا حاضر وناظر سے بھی کوئی شئے غائب رہ سکتی ہے......؟

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جو غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکے تھے مسلمانوں کی روانگی کے وقت کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

''کثرت لشکر کی وجہ سے اگر کوئی شخص یہ خیال کر کے شریک نہ ہوتا کہ جب تک نبی ﷺ پر وحی نہیں آئے گی آپ کو اس کی اطلاع نہیں ہو سکتی تو اس کا یہ خیال صحیح تھا''۔[2]

اگر آپ ﷺ حاضر وناظر تھے تو کسی کا آپ ﷺ کی نظروں سے مخفی رہنے کا کیا سوال؟ معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عقیدہ ہوا کرتا تھا کہ اللہ کا نبی ﷺ غیب دان اور حاضر وناظر نہیں بلکہ پابند وحی ہوتا ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ چند صحابہ رضی

---

1 مسند احمد صفحہ446 2.... بخاری شریف جلد2 صفحہ634

اللہ عنہم کے ساتھ باہر نکلے تو ایک تازہ قبر دیکھ کر دریافت فرمایا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ صحابہ نے جواب دیا: بنی فلاں کی باندی کی قبر ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بتلانے پر آپ ﷺ نے اسے پہچان لیا پھر اس کی قبر پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور فرمایا:

''جب تک میں تمہارے درمیان موجود ہوں کسی بھی میت کو مجھے اطلاع دیئے بغیر دفن نہ کیا جائے کیونکہ میری دعا باعث رحمت ہے''[1]

پہلی بات تو یہ کہ کیا حاضر و ناظر اور عالم الغیب سے بھی کسی کی موت مخفی رہ سکتی ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی جانتے تھے کہ آپ کو علم غیب نہیں ورنہ کہہ دیتے کہ آپ سب کچھ معلوم ہوتے ہوئے بھی ہم سے سوال کر رہے ہیں۔

دوسری بات یہ بھی واضح ہوئی کہ آنحضرت ﷺ ہر قبر میں بنفس نفیس تشریف نہیں لے جاتے ورنہ پہلے ہی فرما دیتے کہ رات میں فلاں قبر میں گیا تھا جس میں ایسا مردہ تھا جس کی نماز میں نے نہیں پڑھائی چلو اس کی نماز پڑھیں۔

تیسری بات یہ کہ اگر آنحضرت ﷺ ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر اور اپنی امت میں موجود ہیں تو یہ کیوں فرمایا کہ ''جب تک میں تمہارے درمیان موجود ہوں'' آپ ہی بتلائیں کہ آنحضرت ﷺ ہمارے درمیان موجود بھی ہیں اور ہم بدبخت ہیں کہ خود ہی جنازے پڑھا رہے ہیں یہ تو آپ ﷺ کی کھلی نافرمانی اور ایک طرح سے توہین ٹھہری کہ منبر و محراب کی زینت ہم بنیں اور امت کو رسول پاک ﷺ کی امامت اور دعا سے محروم کیے رکھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ۴ھ میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں نو صحابہ

---

1 مسند احمد صفحہ 228، ابن ماجہ صفحہ 111، طحاوی شریف صفحہ 295

رضی اللہ عنہم کا لشکر جاسوسی کے لئے بھیجا۔ مقام ہُدہ پر دشمنوں نے انہیں گھیر کر آٹھ افراد کو موقع پر ہی شہید کر دیا اور سالار قافلہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو مکہ لے جا کر تختۂ دار پر لٹکا دیا۔ آپ کی زبان پر شہادت کے وقت یہ الفاظ تھے:

☆اللھم اخبر عنا نبیک۔1 ''اے اللہ! ہمارے حالات سے اپنے نبی ﷺ کو آگاہ کر دے''۔

اگر آپ ﷺ حاضر و ناظر ہوتے تو جاسوسی کی نوبت ہی پیش نہ آتی بلکہ خود ہی مدینے میں بیٹھ کر دشمن کے حالات بتلا دیتے۔ آنحضرت ﷺ دور نہیں مدینہ ہی میں عام افراد کے لئے نہیں اپنے صحابہؓ کے لئے عالم الغیب اور حاضر و ناظر نہ تھے تو اور کہاں اور کس کے لئے ہونگے؟ نیز صحابہ کرام بھی یہ جانتے تھے کہ رسول اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں جو از خود ہمارے احوال جان لیں بلکہ اللہ کے خبر دینے سے ہی آپ کو ہماری خبر ہوگی۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں جب معراج سے لوٹا تو مشرکین مکہ نے امتحاناً مجھ سے بیت المقدس کی نشانیاں پوچھنا شروع کر دیں۔ مجھے صحیح سے معلوم نہ تھا اور نہ ہی میرے جانے کی یہ غرض تھی۔ سو ابو جہل اینڈ کمپنی نے آپس میں چہ مگوئیاں شروع کر دیں آپ ﷺ کے الفاظ ہیں:

☆فکربت کربۃ ما کربت مثلہ قط2 ''میں اس قدر پریشان ہوا کہ اس سے پہلے کبھی پریشان نہ ہوا تھا''۔

پھر اللہ نے تھوڑے وقت کے لئے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا وہ جو کچھ

---

1 بخاری شریف جلد2 صفحہ568 2 مسلم شریف جلد1 صفحہ94

پوچھتے جاتے میں دیکھ دیکھ کر جواب دیتا جاتا۔ اگر آپ ﷺ حاضر و ناظر تھے تو ان کے سوال پر پریشان کیونکر ہوئے؟ نیز اس کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ اللہ تعالیٰ بیت المقدس کو آپ ﷺ کے سامنے کر دیں؟

۴ھ میں قبیلہ رعل وذکوان کے ایک وفد نے سازش کے تحت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر تبلیغ دین کے لئے کچھ لوگ مانگے۔ آپ ﷺ نے اصحاب صفہ میں سے ستر قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ جب یہ لوگ بئر معونہ کے مقام پر پہنچے تو کفار نے دھوکہ سے کعب بن یزیدؓ اور ایک صحابیؓ کے علاوہ باقی سب کو شہید کر ڈالا آنحضرت ﷺ اس واقعہ سے بہت ہی مغموم ہوئے اور ایک ماہ تک نماز میں ان ظالموں کے لیے بددعا فرماتے رہے۔[1]

اگر آپ ﷺ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہوتے تو ان مشرکین کو سازش کرتے ہوئے یقیناً دیکھا اور سنا ہوتا اور ان کے ناپاک عزائم سے پیشگی مطلع ہوتے۔ اس عقیدہ کی بنیاد پر تو نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ پر الزام آئے گا کہ جانتے بوجھتے کیونکر آپ ﷺ نے اپنے مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان وحشیوں کے حوالے کیا......؟ کیسی مضحکہ خیز بات ہے کہ فریقِ ثانی کے نزدیک آپ ﷺ صاحب تصرف ہونے کے ساتھ ساتھ اطراف زمین میں آ جا بھی سکتے ہیں اس کے باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کے لئے کچھ نہ کیا۔

حضرت جُبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت سے فرمایا:

---

1 بخاری شریف جلد2صفحہ586

"اے لوگو! خدا کی قسم میں نہیں جانتا شاید کہ میں تم سے

اس سال کے بعد اس جگہ ملاقات نہ کر سکوں"۔[1]

آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے خصوصاً میدان عرفات میں حاضر وناظر نہیں ہو سکتے تو اور کس کے لئے، کہاں ہونگے؟ اور ذرا غور تو فرمائیے آپ ﷺ کی وفات کا علم بھی تو علم غیب میں داخل تھا، جس سے عالم الغیب ہونے کی صورت میں آگاہ ہونا ضروری تھا لیکن آپ ﷺ خود اس سے لاعلمی کا اعلان فرما رہے ہیں۔

عبداللہ بن اُبی منافق تبوک سے واپسی پر نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو برا بھلا کہتا آرہا تھا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے سن کر اپنے چچا کو بتلا دیا اور یہ بات آنحضرت ﷺ تک جا پہنچی۔ منافق کی پیشی ہوئی تو اس نے چرب زبانی اور جھوٹی قسموں سے خود کو بچا لیا حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

☆فکذبنی رسول اللہ ﷺ وصدقہ[2] "رسول اللہ ﷺ نے مجھے جھوٹا جانا اور اس منافق کو سچا ٹھہرا دیا"

کچھ ہی دیر گزری اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حقیقت حال سے پردہ اٹھا دیا اور آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ اللہ نے تیری تصدیق کر دی ہے۔ حاضر وناظر ہونے کا تقاضا تو یہ تھا کہ ایک ہی سفر میں پیش آنے والے واقعہ کی روئداد آنحضرت ﷺ کو تفصیلاً معلوم ہونی چاہیے تھی جبکہ ایسا نہیں ہوا۔ اور یہ بشری شان ہی تو ہے کہ مقدمے میں کسی فریق کو بے قصور سمجھ کر اس کی

---

1 مشکوۃ صفحہ230، ترمذی شریف جلد1 صفحہ108

2 بخاری شریف جلد2صفحہ617، ترمذی شریف جلد2صفحہ262

رعایت کردی تو اللہ تعالیٰ نے بلا تامل تنبیہ کی آیتیں نازل فرمادیں۔ آپ ﷺ کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر ماننے سے تو یہ لازم آئے گا کہ آپ ﷺ نے جانتے بوجھتے جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا قرار دیا۔ (اعاذنا اللہ منہ)

فقہائے احناف اور عقیدۂ حاضر و ناظر

اب ہم یہاں علمائے احناف کے فتاوی جات کی روشنی میں عقیدہ حاضر و ناظر پر نظر ڈالتے ہیں۔

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ اہلسنت کی مشہور کتاب میں لکھتے ہیں:

من قال ارواح المشائخ حاضرة تعلم يكفر [1] ''جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ مشائخ کی روحیں حاضر ہیں اور وہ سب جانتی ہیں تو یہ شخص کافر ہو جائے گا''

شیخ مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

''حق تعالیٰ سبحانہ وتقدس کلی و جزئی تمام احوال پر مطلع و حاضر ہیں سو ان سے حیاء کیا کرو'' [2]

نیز علمائے احناف علامہ برہان الدین (صاحب ھدایہ) علامہ بدر الدین عینی (شارحِ بخاری) ابن ہمام اور امام محمد بزازی رحمہم اللہ اپنی اپنی تصانیف میں فرماتے ہیں، ''جو شخص آنحضرت ﷺ کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے''۔ [3]

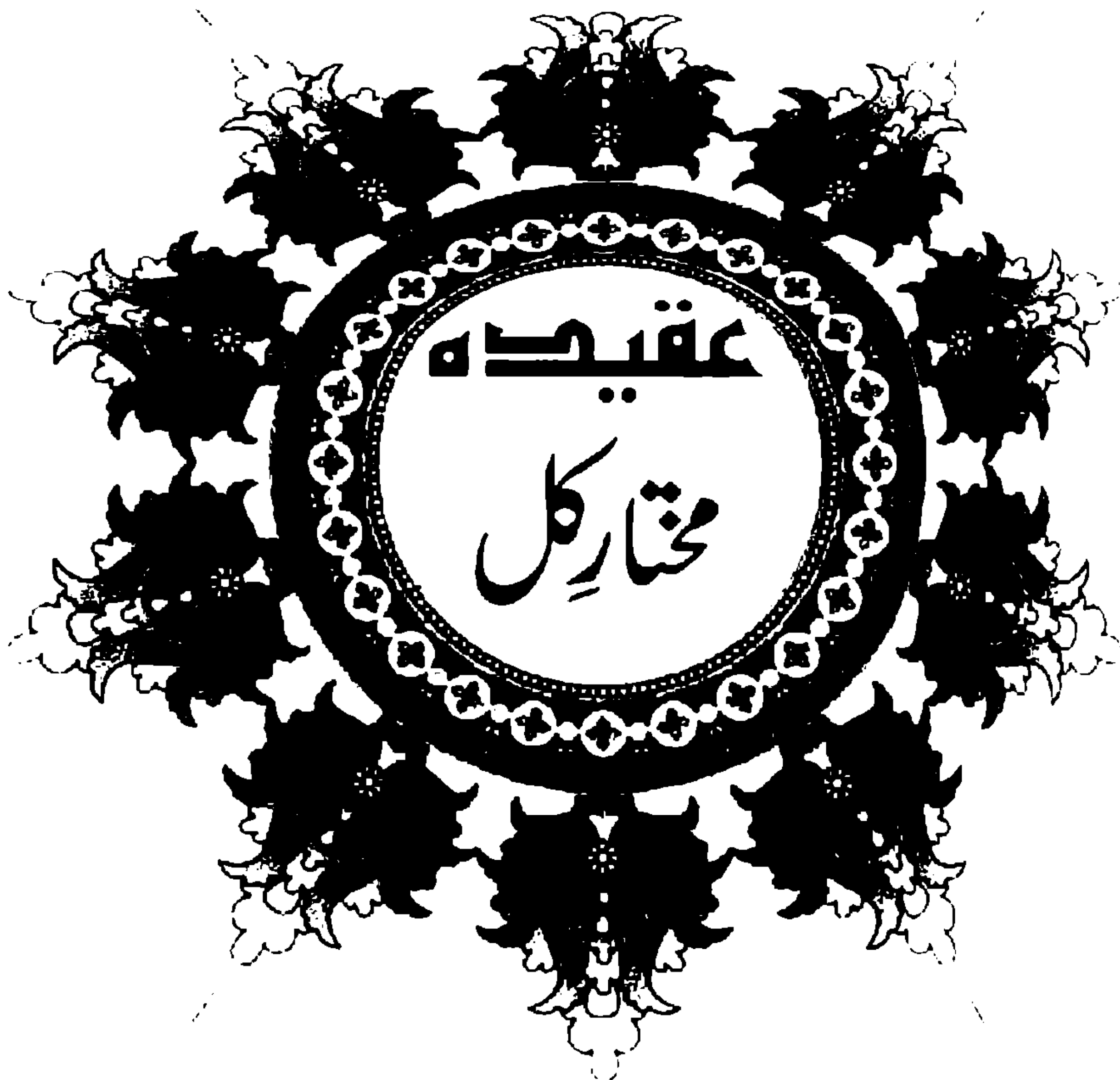
خلاصۂ کلام:

ایک ہی وقت میں کائنات کی ہر شے کے اوّل سے آخر تک تمام حالات اللہ تعالیٰ

1۔۔۔۔فتاوی بزازیہ صفحہ326 عالمگیری صفحہ326، بحر الرائق جلد5 صفحہ124

2۔ مکتوب 78 جلد2 صفحہ68   3۔ عمدۃ القاری جلد 11 صفحہ 520، مسامرہ جلد2 صفحہ88، فتاوی بزازیہ صفحہ325

کی نظر میں ہیں۔ وہ ہر جگہ، ہر گھڑی اپنے علم محیط کے ساتھ بے مثل طور پر موجود اور ہر ایک کو اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ دیکھ رہا ہے۔ باری تعالیٰ کی دیگر صفات کی طرح حاضر و ناظر ہونا بھی اللہ کے ساتھ خاص ہے جس میں کوئی مخلوق کسی حیثیت سے اس کی شریک نہیں۔ قرآن کریم احادیث طیبہ، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہ حنفی کی روشنی میں آنحضرت ﷺ نہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں، نہ آپ نے کبھی اس کا دعویٰ کیا اور نہ ہی منصب نبوت ورسالت کے لئے حاضر و ناظر ہونا ضروری ہے بلکہ آپ ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں آرام فرما ہیں۔ دنیا میں بے شمار مقامات ایسے ہیں جہاں آپ ﷺ کو حاضر و ناظر تسلیم کرنا بے ادبی اور توہین ہوگی اسی طرح اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے متعلق بھی یہ عقیدہ رکھنا ان کی تعلیمات کے یکسر خلاف، دین کے نام پر بہت بڑی جسارت اور گناہ عظیم ہے۔ نیز آپ ﷺ کو حاضر و ناظر ماننے سے آپ کی ہجرت مدینہ کا انکار لازم آتا ہے۔


عقیدہ
مختارِ کل

مختارِ کُل کا مفہوم:

مختارِکُل سے مراد ایسی ہستی ہے جو بااختیار ہونے کے ساتھ ہر شئے پر تصرف کا حق بھی رکھے اور سب اسی کے آگے سجدہ ریز ہوں۔ اس کے اوپر کسی کی حاکمیت تسلیم نہ کی جا سکتی ہو۔ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ﴾[1]

''اور وہی اللہ آسمانوں میں معبود ہے اور وہی زمین میں معبود ہے۔''

وصفِ بشریت ہی سے ملا ہوا ایک پہلو وصفِ عبدیت کا ہے۔ یہ عبدیت کا پہلو بھی مشرکوں کی سمجھ میں کبھی نہیں آیا۔ ہر بزرگ و مقدس ہستی ان کے خیال میں بہر حال فوق البشر ہوگی اور جب فوق البشر ہوئی تو عبد محض کیسے ہو سکتی ہے......؟ لامحالہ یا تو خدا ہوگی یا نیم خدا، دیوتا یا دیوی اور اس حیثیت سے خالق یا فاطر نہ سہی لیکن کسی درجہ میں معبود، حاجت روا، مشکل کشا اور مختارِ کل تو ضرور ہوگی۔ کلامِ پاک نے اس جاہلی مفروضے کی تردید ہر پہلو اور ہر جہت سے کی ہے اور پیغمبروں کی عبدیت کا شد و مد کے ساتھ اثبات کرتے ہوئے سمجھایا ہے کہ انہیں عبدیت سے ذرا بھی بے نیازی نہ تھی بلکہ وہ تو خود اپنے رب سے التجا و نیاز اور دعا و مناجات میں لگے رہتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے لئے خدائی صفات مثلاً علم غیب اور حاضر و ناظر ثابت کرنے کا صاف صاف نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آپ کو خدائی اختیارات میں بھی حصہ دار ٹھہرایا جائے۔ کیونکہ اگر کسی کو معلوم ہو کہ فلاں شخص مصیبت و تکلیف میں ہے اور وہ اس کے

1 سورہ زخرف آیت 84

ازالہ پر قادر نہ ہو تو اور زیادہ افسوس ہوگا کہ کاش! مجھے قدرت ہوتی تو میں اس کی تکلیف دور کردیتا یعنی بغیر قدرت ودسترس کے علم غیب اور حاضر وناظر ہونے کی صفات شان وکمال کی بجائے نقص اور نقصان دہ قرار پائیں گی۔

رسول اللہ ﷺ کا مقام ومرتبہ:

اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات سے علومرتبت، جلالت شان اور ختم نبوت کے لئے صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ہی چنا ہے۔ اس شان اور وصف میں آپ کا ہم پلہ وہمسر کوئی نہ پہلے تھا نہ اب ہے اور نہ ہی آئندہ ہوگا۔ البتہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ آپ ایسے اعمال بتلائیں جن کے کرنے سے مخلوق خدا جنت میں داخل ہو اور جہنم سے نجات پاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے فخر رسل ﷺ کی زبان مبارک سے اپنی محکم کتاب میں بطور قانون یہ اعلان کروادیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی ذات میں صاحب اختیار نہیں بلکہ پروردگار کی طرف سے جاری ہونے والے احکام کے پابند ہوا کرتے ہیں:

﴿قُلْ إِنَّمَآ أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ مِن رَّبِّي﴾ 1

''آپ (ﷺ) کہہ دیجیے کہ میں تو اپنے رب کی طرف سے آنے والے حکم کا پابند ہوں''۔

اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ تکوینی وتشریعی طور پر مختار کل صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ اس نے مافوق الاسباب اختیارات کسی کو نہیں دیئے البتہ کسی سبب کے تحت امداد واعانت کرنے میں کوئی اختلاف نہیں۔ حق تعالیٰ شانہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاتھ پر بطور معجزہ اور اولیاء کے ہاتھ پر بطور کرامت جو کچھ ظاہر فرماتے ہیں

1۔ سورہ اعراف آیت 203

وہ حق ہے اس سے کسی کو انکار نہیں لیکن وہ بھی براہ راست اللہ کا فعل ہے جو اسی کی قدرت سے ظہور میں آتا ہے۔ اس وجہ سے ان برگزیدہ ہستیوں کو خدائی اختیارات میں شراکت دار اور کائنات کا مالک ومختار سمجھنا حماقت محض ہے۔ وکیل احناف امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو حکم اللہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو ملا وہ اسی طرح امت تک پہنچا دیا اس میں مختار کل ہونے کے کیا معنی؟[1]

حضور ﷺ کو مختار کُل ماننے کا نقصان:

قرآن پاک اور احادیث طیبہ کی رو سے تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ جناب رسول پاک ﷺ قیامت کے دن اللہ کے حکم سے اپنے گنہگار امتیوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ جبکہ مختار کل کو کسی کی شفاعت وسفارش کی ضرورت نہیں بلکہ وہ اپنے اختیار سے جس کو چاہے جنت میں اور جسے چاہے جہنم میں بھیج سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس عقیدے کے ہوتے ہوئے شفاعت نبوی ﷺ کا انکار لازم آئے گا۔

قرآن کی رو سے مختار کل کون ہے......؟

کلام پاک میں آنحضرت ﷺ کے عظیم منصب رسالت کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایمان والوں کو جن اعمال کے کرنے کی ہدایت کرتے ہیں یا جن اعمال سے روکتے ہیں اس میں خود آپ ﷺ کی ذاتی پسند یا ناپسند کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ سب اللہ کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے کیونکہ لفظ رسول و نبی کا معنی ہی ''پیغام رساں اور خبر دینے والے'' کے ہیں یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حلال یا حرام کر دیا، رسول ﷺ کا کام یہ ہے کہ وہ وحی پا کر لوگوں کو اس کی خبر دیدیں:

---

1 ......طحاوی شریف صفحہ 330

﴿ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ﴾1

"آپ (ﷺ) اپنی جی کی خواہش سے نہیں بولتے یہ تو آپ کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے"۔

یعنی رسول اللہ ﷺ دین کی تعلیمات سے متعلق جو حکم دیتے ہیں وہ ذاتی طور پر رسول ﷺ کا دیا ہوا حکم نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی مرضی کے مطابق اور وحی کے تابع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے یہ اعلان بھی کروا دیا کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کی عبادت اللہ کے لئے ہوتی ہے اسی طرح ان کا جینا و مرنا بھی اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے:

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾2

"آپ (ﷺ) کہہ دیجیے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے"۔

ایک اور مقام پر مومنوں کو باور کرایا گیا ہے کہ آپ ﷺ متصرف فی الامور نہیں ہیں کہ انہیں مسجود و معبود بنالیا جائے:

﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ ...... لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴾3

"آپ (ﷺ) کہہ دیجیے کہ میں تو صرف اپنے پالنے والے کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور یہ کہ میں تمہارے نفع و نقصان کا مالک و مختار بھی نہیں"۔

اس کے ساتھ یہ امر بھی واضح کر دیا کہ آنحضرت ﷺ خداوندی صفات کے حامل، عالم الغیب اور مختار کل ہرگز نہیں ورنہ آپ ﷺ کو کبھی بھی حالاتِ زمانہ اور دشمنوں کی طرف سے تکلیف و مصیبت نہ پہنچتی جیسے دندان مبارک کا شہید ہونا، چہرہ

---

1 سورہ نجم آیت4 2 سورہ انعام آیت126

3 سورہ جن آیت21

مبارک کا زخمی ہونا، یہود بے بہبود کی طرف سے زہر اور جادو وغیرہ کا اثر ہونا وغیرہ، ملاحظہ فرمائیے:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا ... الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوْٓءُ [1]

"آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے بھلے اور برے کا بھی اختیار نہیں رکھتا اللہ ہی جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور اگر میں غیب کی باتیں جان لیتا تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی برائی نہ پہنچتی"۔

جب آپ ﷺ اپنی ذات کے لئے بھی نفع و نقصان کے مالک نہیں تو ذرا سوچیے کہ پیر فقیر، درویش وغیرہ پیغمبروں اور رسولوں سے بڑھ کر تو نہیں ہوتے؟ معلوم ہوا کہ تکالیف و مصائب میں مدد کرنا صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ انبیاء و صالحین کا بھی وہی مددگار رہا ہے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو بخار، درد شقیقہ اور بہت سے امراض وغیرہ لاحق ہوئے اور اس سے آپ کی ذات بابرکات پر کوئی طعن و عیب نہیں آ سکتا۔ کیا مختار کل کی یہی شان ہوتی ہے کہ اپنے نفس پر سے بیماری بھی دور نہ کر سکے.....؟

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے عزیز صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

فانی لا املک لکم من اللہ شیئا [2] "بیشک میں تمہارے لئے اللہ سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں"۔

گویا اللہ اور اس کا رسول ﷺ، قرآن مجید اور صحیح احادیث دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ مختار کل اور مالک دو جہاں صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جبکہ انبیاء کرام علیہم

---

1 سورہ اعراف آیت188

2 بخاری شریف جلد2صفحہ702، مسلم صفحہ114، مسند احمد جلد6 صفحہ187

السلام کی دیگر صفات کی طرح صفت قدرت بھی محدود ہوا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی ہماری فریادرسی کرنے والا، ہماری تمنائیں، آرزوئیں اور دعائیں پوری کرنے والا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا ..... الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ﴾ 1

''بھلا وہ کون ہے جو بے کس و بے بس کی پکار کو سنتا ہے اور اس سے تکلیف کو دور کرتا ہے۔ اور تمہیں زمین میں اپنا نائب بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟''۔

معلوم ہوا کہ بے بس انسان کی فریادرسی اور پریشان حال کی مشکل کو حل کرنے والا ''الٰہ'' یعنی معبود کہلاتا ہے اگر کوئی اللہ کے علاوہ کسی اور کو فریاد پیش کرتا ہے یا کسی اور سے مشکل کشائی کا گمان رکھتا ہے تو گویا اس نے کوئی اور الٰہ تلاش کر لیا ہے حالانکہ اسلام کی قبولیت کے لئے جو الفاظ ترتیب دیئے گئے ہیں اس میں پہلے غیر اللہ کے وجود کا انکار کرایا پھر اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا اقرار، چنانچہ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں عہد لیا جاتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو الٰہ نہیں بنائے گا اور نماز کی ہر ہر رکعت میں بھی اسی کی یاد دہانی کروائی جاتی ہے:

﴿ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ 2

''اے اللہ! ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں''

یعنی پکارنے کے لائق صرف اور صرف اللہ عزوجل کی ذات ہے اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کرنے کے بعد کسی اور کو بھی الٰہ سمجھنا، اسے کسی بھی شکل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شامل کرنا خواہ اس سے مدد مانگی جائے یا مشکل کشا سمجھا جائے گناہ کبیرہ ہے جو

---

1 سورہ نمل آیت62 2 سورہ فاتحہ آیت4

اللہ تعالیٰ کو قطعاً قبول نہیں اور نہ ہی اس کی بخشش ہے۔ انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کا نچوڑ بھی یہی ہے کہ جس طرح عبادت اللہ کے لئے خاص ہے اسی طرح مدد و اعانت بھی اسی سے طلب کی جائے۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ مخلوق کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ جو کوئی روحانی، جسمانی، ظاہری و باطنی تکلیف یا مصیبت انسان پر وارد ہوتی ہے اسے اللہ کے بغیر کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی نعمت یا فراخی اللہ کی طرف سے مقدر ہو تو اللہ کے بغیر اسے کوئی نہیں روک سکتا لہٰذا اللہ کی صفت غیر کو دینے یا اس کا حق غیر میں تسلیم کرنے والا ظالم ہی کہلائے گا:

وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ ... يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ [1]

"اور اللہ کے سوا ایسے کو نہ پکار جو تیرا بھلا کر سکے نہ برا۔ اگر ایسا کیا تو اس وقت تو ظالموں میں سے ہوگا اور اگر اللہ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو اس کے علاوہ کوئی ہٹانے والا نہیں اور اگر تجھے کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی نہیں پھیر سکتا"۔

اپنی حاجتوں کے پیچھے پاگل ہو جانے والے ناسمجھ و کمزور ایمان کے مالک مسلمانوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ کلام پاک ہماری رہنمائی کے لئے کافی ہے جس کی تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ ہی تمام مخلوقات کی ضروریات وحاجات پوری کر سکتا ہے۔

جب آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں پر نظر ڈالی جاتی ہے تو یہ بات کسی خداترس، سنجیدہ مزاج اور باشعور مسلمان سے مخفی نہیں رہتی کہ آنحضرت ﷺ

---

1 سورہ یونس آیت 107-106

مختارِ کل ہرگز نہ تھے بلکہ آپ ﷺ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقتاً فوقتاً نازل ہونے والے احکامات کے پابند تھے۔ اس کی وضاحت کے لئے قرآن وحدیث کی روشنی میں چند واقعات کا احاطہ کیا جاتا ہے۔

غزوہ تبوک کا واقعہ:

غزوۂ تبوک میں مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ سفر بہت دور کا اور سواری میسر نہیں تھی، بیشمار صحابہ رضی اللہ عنہم شرکت جہاد کے لئے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر سواری کا سوال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ انہیں جو جواب دیتے ہیں وہ کلام پاک میں نقل کیا گیا ہے:

لَآ اَجِدُ مَآ اَحۡمِلُكُمۡ عَلَيۡهِ [1]

''میں کوئی سواری نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں''۔

اگر بالفرض اللہ نے آپ ﷺ کو تمام چیزوں کے خزانے دیکر مالک ومختار بنادیا تھا تو کیا قبضۂ قدرت کے باوجود آپ ﷺ نے خلاف واقع بات فرمائی۔۔۔۔؟ کیا مختارِ کل بھی یوں کہتا ہے کہ میں کوئی سواری نہیں پاتا؟ ذرا غور فرمائیے کہ حضرت محمد ﷺ اپنے محبوب صحابہ رضی اللہ عنہم کو تو جواب دیں کہ میرے پاس کچھ نہیں جو تمہیں دوں اور چودھویں صدی کے قوالچیوں کی جھولیاں بھریں کیا یہ سمجھ میں آنیوالی بات ہے۔۔۔۔؟

رئیس المنافقین کا جنازہ پڑھنا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کا

---

1 سورہ توبہ آیت92

انتقال ہوا تو آپ ﷺ ایک مسلمان بیٹے کی فرمائش پر رواداری کے تحت اس کا جنازہ پڑھانے تشریف لے گئے۔[1] مگر اللہ کو یہ ادا پسند نہ آئی اور حکم دیا:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ﴾[2]

"ان مشرکین میں سے کوئی مرجائے تو آپ (ﷺ) اس پر کبھی نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں"۔

اس سے یہ امر واضح ہوا کہ آپ ﷺ مختار کل نہیں بلکہ ہر معاملے میں ارشاد خداوندی کے پابند تھے۔ اس منافق کو جنت دینا تو درکنار اس کی مغفرت کی دعا ہی سے آپ ﷺ کو روک دیا گیا۔ جب پیغمبر خدا ﷺ اپنی مرضی سے کنہگار کی بخشش کا اختیار نہیں رکھتے تو اور کون بزرگ، پیر سائیں اور درویش ایسا ہوگا جو اللہ سے گناہ بخشوا دے یا روز قیامت اس کا دامن تھامنا کافی ہو جائے؟

انشاءاللہ کہنے کی تاکید:

آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کچھ لوگوں نے چند مسائل پوچھے آپ ﷺ نے وحی کے بھروسے پر زبان مبارک سے انشاء اللہ کہے بغیر کل بتلانے کا وعدہ کر لیا۔ لیکن پندرہ روز تک وحی نہ آئی جس کے نتیجے میں آپ ﷺ کافی متفکر اور غمگین ہوئے تو اللہ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَاْیْءٍ ...... اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾[3]

"آپ (ﷺ) کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجیے کہ میں اس کو کل کروں گا مگر اللہ کے چاہنے کو ساتھ ملا لیجیے"۔

1۔ بخاری شریف صفحہ647، ترمذی شریف صفحہ136

2۔ سورہ توبہ آیت84 3۔ سورہ کہف آیت23

بتلائیے کہ کیا مختار کل بھی کسی کی مشیت وارادے کا پابند ہوا کرتا ہے ؟

سرداران قریش کیلئے بددعا کرنا:

آنحضرت ﷺ نے کفار قریش کی طرف سے مسلسل ایذاء رسانی کے سبب صفوان بن امیہ، سہل بن ہشام اور حارث بن ہشام کے لئے بددعا فرمائی۔ 1 چونکہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں لیکن اللہ کے علم میں تھا کہ عنقریب یہ جان کے دشمن مسلمان ہوکر جان نچھاور کرنے والے بن جائیں گے لہٰذا اللہ تعالیٰ اس سے منع فرماتے ہوئے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ ان کے معاملے میں آپ کو نہ کوئی دخل ہے اور نہ آپ پر کوئی ذمہ داری۔ آپ ﷺ نے تو اپنا فرض بخوبی ادا کر دیا ہے البتہ کسی کو سزا دینے یا معاف کرنے کا اختیار صرف ہمارے ہاتھ میں ہے:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ 2

"آپ (ﷺ) کے اختیار میں کچھ نہیں یہاں تک کہ

اللہ یا تو ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے"۔

اگر آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مختار کل بنایا ہوتا تو بددعا سے کبھی نہ روکا جاتا۔

آپ ﷺ کے چچا کا ایمان نہ لانا:

پیغمبر اعظم ﷺ کو افراط شفقت کی بنا پر دل سے یہ تمنا اور آرزو بلکہ کڑھن تھی کہ کوئی ایک شخص بھی نعمت ایمان سے محروم نہ رہے۔ جب آپ کی مسلسل کوشش کے باوجود آپ کے چچا ابوطالب ایمان نہ لائے تو آپ کو شدید رنج پہنچا۔ اللہ نے آنحضرت ﷺ کو تسلی دی کہ اس سلسلے میں نہ آپ کو قدرت حاصل ہے اور نہ ہی آپ کی خواہش کا اس میں کوئی عمل دخل ہے۔ دعوت ایمان کا قبول کرنا یا نہ کرنا اللہ نے تمام

---

1 بخاری شریف جلد2 صفحہ582 2 سورہ آل عمران آیت128

ترا اپنی مرضی کے تحت رکھا ہے:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ 1

''بیشک آپ (ﷺ) جسے چاہیں ہدایت پر نہیں لا سکتے مگر اللہ جسے چاہے ہدایت پر لے آئے''۔

یعنی آپ ﷺ مختار کل نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو اپنی مرضی سے ہدایت پر نہیں لا سکتے بلکہ یہ حکیم مطلق ذات کی مشیت پر موقوف ہے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ اگرچہ آنحضرت ﷺ کے کئی ایک مطالبات اللہ تعالیٰ نے پورے کردیئے مگر اس کے باوجود بہت سے کام ایسے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں حاصل کرنا چاہا مگر حاصل نہ ہوئے اور بہت سی مضرتیں و تکلیفیں ایسی ہیں کہ آپ ﷺ نے ان سے بچنے کا ارادہ کیا لیکن وہ آپ کو پہنچ کر رہیں۔ ایسا نہیں کہ آپ ﷺ جو چاہتے سو کرتے۔ مثلاً مشرکین مکہ کے فرمائشی معجزات کو کسی مصلحت کی وجہ سے پورا نہ کرنا، آپ ﷺ نے دعا کی کہ میری امت آپس میں جھگڑا وفساد نہ کرے لیکن بارگاہ ایزدی میں اس کا منظور نہ ہونا نیز آنحضرت ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ ہمارا قبلہ پھر سے بیت اللہ بن جائے مگر اس کے لیے بھی وحی الٰہی کا منتظر ہونا وغیرہ لہٰذا یہ فلسفہ قرآنی تعلیمات کے یکسر خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا نظام اپنے برگزیدہ بندوں کے حوالے کر کے خود معطل و معزول ہو گیا ہے بلکہ اس عالم میں جو کچھ ہو رہا محض اللہ ہی کی قدرت اور ارادے سے ہو رہا ہے:

﴿لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ﴾ 2

''تمام کام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں پہلے بھی اور بعد میں بھی''

---

1 سورہ قصص آیت 56   2 سورہ روم آیت 4

یعنی تمام کاموں پر اللہ ہی کا اختیار ہے جس کی شان یہ ہے "فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ" 1
"وہ جو چاہے کر گزرتا ہے" اسے کسی کی اجازت ورہنمائی کی قطعاً ضرورت نہیں جبکہ اللہ کے حکم، اجازت اور رہنمائی کے بغیر رسول بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اگر اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کو تمام کام تفویض ہو چکے ہوتے تو آپ بیشمار مسائل میں وحی کے منتظر نہ رہتے۔ اسی طرح ہر قسم کے خزانے بھی اللہ ہی کے دست قدرت میں ہیں۔ اس حقیقت کو آنحضرت ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے یوں کہلوایا گیا ہے:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ 2

"آپ (ﷺ) کہہ دیجیے کہ میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں"۔

گویا آیت بالا میں نبوت ورسالت کے مقام ومنصب پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ اللہ کا نبی خزانوں کا مالک، مختار کل، متصرف فی الامور اور لوازم بشریہ سے منزہ نہیں ہوا کرتا بلکہ یہ صفات تو باری تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص ہیں:

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ 3

"آسمان وزمین کے خزانوں کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کسی کے ماتحت نہیں اور نہ ہی کوئی اسے حکم دے سکتا ہے اس کے سوا ہر چیز اس کی محتاج اور اسی کے تابع فرمان ہے:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ 4

"وہ اپنے کاموں کے لئے کسی کے آگے جواب دہ نہیں
اور سب اس کے آگے جواب دہ ہیں"۔

---

1 سورہ بروج آیت16
2 سورہ انعام آیت 50
3 سورہ زمر آیت63
4 سورہ انبیاء آیت23

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ حدیث قدسی میں وارد ہے:

''اے میرے بندو....! تم سب کے سب بھوکے ہو مگر جسے میں نے میں کردیا پس مجھ سے رزق طلب کرو میں تمہیں کھلاؤں گا، اے میرے بندو ! تم سب کے سب برہنہ ہو مگر جسے میں نے پہنادیا پس مجھ سے کپڑے مانگو میں تمہیں پہناؤں گا'' ۔1

یعنی زمین پر بسنے والی تمام مخلوق اللہ کے در کی گدا ہے اور وہ سب کی دستگیری فرمانے والا ہے:

﴿يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ 2

''اللہ ہی سے آسمان و زمین کی تمام مخلوق اپنی حاجتیں طلب کرتی ہے''۔

جب اللہ ہی تمام خزانوں کا تن تنہا مالک ہے تو لازمی سی بات ہے کہ کسی کو یہ خزانے بخشنا اور عطا کرنا بھی اللہ ہی کا کام ہے:

﴿وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ 3

''آسمان و زمین کے خزانے اللہ ہی کے لئے ہیں لیکن منافق لوگ نہیں سمجھتے''۔

آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی ذات کے علاوہ کسی اور مخلوق کو ''گنج بخش'' یعنی خزانے بخشنے والا کہنا منافقین کا عمل ہے۔ جب مخلوق کے پاس خود کچھ نہیں تو کسی اور کو کیا دے گی.....؟ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ﴾ 4

''اے لوگو! تم سارے کے سارے اللہ ہی کی طرف سوالی ہو''۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سوا کسی اور سے اپنی بگڑی بنوانے کی امید

---

1 ریاض الصالحین صفحہ66 — 2 سورہ رحمن آیت29

3 سورہ منافقون آیت7 — 4 سورہ فاطر آیت15

رکھنا بیکار ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴾1

''اللہ کے علاوہ جنہیں تم پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ ہی خود اپنی مدد کر سکتے ہیں''۔

ساری کائنات کا نظام اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس کے نظام میں نہ کوئی شریک تھا، نہ ہے اور نہ ہوگا۔ وہ اپنا نظام چلانے میں کسی وزیر یا نائب کا محتاج نہیں۔ اس نے کائنات میں تصرف کے کلی یا جزوی اختیارات نہ کسی کو عطا کیے ہیں اور نہ ہی خدائی اختیارات کسی کو عطا کیے جا سکتے ہیں۔ اس تک پہنچنے کے لئے کوئی سیڑھی یا واسطہ درکار نہیں۔ کارخانۂ خداوندی میں کوئی پتہ اور ذرہ اس کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔ تمام خیر وشر کی بازگشت اسی کی طرف ہے نہ اسکے علاوہ کوئی پناگاہ ہے اور نہ کوئی آڑے وقت کا ساجھی ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴾2

''اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار اور کام بنانے والا نہیں ہے''۔

اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی سے اپنی ضروریات پوری ہونے کا گمان رکھنا جو قیامت تک جواب دینے سے قاصر ہی نہیں بلکہ بے خبر بھی ہو، گمراہی کے سوا کچھ نہیں:

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا ...... وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴾3

''اس شخص سے زیادہ گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارے جو قیامت تک اس کا جواب نہ دے سکے اور انہیں تو ان کے پکارنے کی خبر تک نہ ہو''۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے کہ مصائب کے وقت اپنی حاجت روائی کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو اس کے در کے علاوہ کسی اور در کو دیکھنا نری گمراہی اور بے وقوفی ہے کہ

---

1 سورہ اعراف آیت197   2 سورہ شوریٰ آیت31

3 ... سورہ احقاف آیت5

کوئی بھی کسی کو رتی برابر فائدہ پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا:

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ...... وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ﴾[1]

''یہ اللہ ہی تمہارا رب ہے اسی کے لئے بادشاہی ہے اور اسے چھوڑ کر جن کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے باریک چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ سن نہ سکیں اگر سن بھی لیں تو تمہارا کہا پورا نہ کر سکیں''۔

اللہ کا مختارِ کل ہونا عقل کی میزان میں:

اب ذرا عقل سے سوچا جائے کہ ایک ایسا دربار جس میں ہر شخص ہر آن اور ہر لمحے اپنی درخواست پیش کر سکے، جہاں ہر درخواست پر فوری کارروائی ہو، جو ہر ضرورت کو پورا کرنے اور ہر شخص کی تمام مرادیں برلانے کی پوری پوری قدرت رکھتا ہو۔ پھر رحیم و شفیق ایسا ہو کہ خود مانگنے والوں کا منتظر اور نہ مانگنے والوں سے ناراض ہو جائے ایسے دربار کو چھوڑ کر در بدر کی ٹھوکریں کھانا فہم و فراست کی نہیں بلکہ حماقت و جہالت کی بات ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ...... عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا﴾[2]

''آپ (ﷺ) ان سے کہہ دیجیے کہ جن معبودوں کو تم اللہ کے سوا اپنا مددگار سمجھتے ہو ان کو پکار کر دیکھ لو وہ کسی تکلیف کو نہ تم سے دور سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں''

یعنی اللہ کے علاوہ جو سہارے ڈھونڈے جاتے ہیں ان کی اتنی بھی حیثیت نہیں کہ کسی کی تکلیف کو ختم یا کم کر دیں۔

نزولِ قرآن اور بعثتِ انبیا علیہم السلام کا مقصد:

قرآن کریم کی دعوت کا سب سے اہم ترین موضوع اور انبیا علیہم السلام کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کی توحید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلام پاک میں حق تعالیٰ کی الوہیت کے جو دلائل بار بار مختلف پیرایوں میں بیان

1 سورہ فاطر آیت 14 2 سورہ بنی اسرائیل آیت 56

کیے گئے ہیں ان میں سب سے واضح دلیل یہی ہے کہ بتلاؤ کائنات میں متصرف اور قدرت کامل کا مالک کون ہے......؟ رزق کے خزانے کس کے قبضے میں ہیں......؟ دن ورات کا نظام کس کے ہاتھ میں ہے......؟ نفع ونقصان کا مالک کون ہے......؟ ظاہر ہے اگر ان چیزوں کو دوسروں کے لئے ثابت کیا جائے تو کلام پاک کا تقریبا ایک تہائی (1/3) حصہ باطل ہوکر رہ جاتا ہے۔ جبکہ یہ امر اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ انبیا، اولیا اور بزرگانِ دین اپنی جگہ خود مختار نہیں کہ یہ امور سرانجام دے سکیں وہ تو یہ سبق سکھلا کر گئے ہیں کہ قدرت مطلق اور اختیار کامل صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے:

﴿قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ﴾[1]

''آپ (ﷺ) کہہ دیجیے کہ سب کے سب کام اللہ ہی کے اختیار میں ہیں''

یعنی تمام معاملات کی باگ ڈور اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

مکہ کے مشرکین کیسے تھے؟:

مشرکین مکہ نے بیت اللہ کے اردگرد تین سو ساٹھ (360) بت رکھ کر ہر ایک کی مختلف ڈیوٹی طے کی ہوئی تھی۔ مثلاً فلاں بت بارش کے لئے ہے اور فلاں روزی کے لئے، فلاں بت شفا دے گا اور فلاں اولاد دے گا۔ جس کو جو ضرورت پیش آتی وہ اسی کا چڑھاوا کرتے ہوئے منت وعاجزی سے درخواست پیش کرتا تھا۔ وہ فخریہ طور پر کہتے تھے کہ اجی بڑا خدا تو موجود ہے ہی مگر اس کی سرکار میں ہمارے یہ معبود بھی کسی نہ کسی درجے میں مختار ہیں اگرچہ عطائی طور پر ہوں۔ چونکہ بڑی سرکار تک براہ راست رسائی نہیں ہوسکتی اس لیے ہم انہی سے بگڑے ہوئے کام بنواتے ہیں۔ یعنی وہ بجز اللہ رب العزت کے کسی کو بھی ''اللہ'' سمجھ کر اس کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں ان کے احوال یوں بیان فرمارہے ہیں:

---

1 سورہ آل عمران آیت154

﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ...... هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ 1

"یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر اس چیز کی پرستش کرتے ہیں جو انہیں نہ نقصان پہنچا سکے

نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں"

ایک اور مقام پر مشرکین مکہ کے اس غلط گمان کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ 2

"وہ لوگ جو اللہ کے سوا کوئی اور حمایتی بنائے بیٹھے ہیں کہتے ہیں کہ ہم تو انہیں

صرف اس واسطے پوجتے ہیں کہ یہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں گے"

حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ کا عقیدہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو اس جہان کے مخصوص خطوں میں تصرف کرنے کا اختیار دیدیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زبانی انکا تلبیہ حج سنیے:

﴿لبیک لاشریک لک الا شریکاً ھو لک تملکه﴾ 3

"ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں ہے مگر وہ شریک کہ جسکو تو نے اختیارات دے رکھے ہیں"

وہ کفار بتوں سے اپنے کام بنوانے کی امید رکھتے تھے تو بھولے بھالے مسلمانوں کو مزاروں اور خانقاہوں پر لگا دیا گیا ہے کہ وہاں جا کر اپنی حاجتیں پوری کرواؤ۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات کسی طور پر گوارا نہیں کہ بندے اسے ایک تسلیم کر کے اس کے احکامات کی براہِ راست تعمیل کرنے کی بجائے کسی اور کو تقرب کا ذریعہ بنائیں:

﴿اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ 4

"میں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں"۔

---

1 سورہ یونس آیت18 — 2 سورہ زمر آیت3

3 مسلم شریف جلد1 صفحہ376 — 4 سورہ بقرہ آیت186

ایک تو گناہ ناحق کہ اپنی طرف سے اللہ کا سفارشی بنایا پھر اس پر مستزاد یہ کہ "ہماری سنتا نہیں ان کی ٹالتا نہیں"۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میں اپنے ہر بندے سے اتنا قریب ہوں کہ وہ جب چاہے مجھے پکار سکتا ہے۔ ایک مقام پر فرمایا:

﴿وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾[1]

"اور اللہ ایمان والوں کی دعا کو خوب سنتا ہے"

مطالعۂ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ایمان والوں کی پکار کو ضرور سنتا ہے اور یہ کہیں کہ ہماری سنتا نہیں۔ اس طرح تو لامحالہ یہ لوگ خود کو اہل ایمان کی فہرست سے باہر نکال رہے ہیں۔

تصویر کا دوسرا رُخ:

دور جاہلیت کے مشرکین تو اپنے معبودان باطلہ کو اللہ کے دربار عالی میں فقط سفارشی سمجھتے تھے مگر آجکل تو ترقی کی دوڑ میں لوگ تمام تر خدائی اختیارات براہ راست انبیاء کرام، اولیاء عظام اور دیگر بزرگوں کو سونپے ہوئے ہیں۔ پھر وہاں سے بھی یہ اختیارات الاٹ درالاٹ منتقل ہو کر اردگرد پھرتے ننگ دھڑنگ قسم کے ملنگوں اور فقیروں تک جا پہنچے ہیں جنہیں نہ کھانے کا ہوش ہے نہ لباس کا خیال۔ نماز اور روزہ تو دور کی بات ہے حلال وحرام، پاکی وناپاکی کی تمیز تک سے عاری ہیں۔ مگر ہماری اعلیٰ معیار کی بلند ظرفی دیکھیے کہ انہیں "عارف باللہ" کا لقب دیا جاتا ہے اور یہ کہہ کر خود فریبی میں مبتلا ہیں کہ ولایت عبادت پر موقوف نہیں، تو کیا پھر خرافات پر موقوف ہے؟ کچھ ایسے افراد جو فقط زبانی جمع خرچ پر اکتفا کیے بیٹھے ہیں اور اعمال صالحہ سے کوئی سروکار نہیں رکھتے انہوں نے اپنی سست طبیعت کے پیش نظر ایسی "ہندوستانی اسرائیلیات" ایجاد کر لی ہیں کہ لوگوں کے لئے بے مشقت ملنگی دین میسر آ جائے

1 سورہ شوری آیت26

جسمیں دیر وحرم، کعبہ وکلیسا کی کوئی تمیز باقی نہ رہے ان کے خیالات ملاحظہ فرمائیے:

1 کوئی پیر صاحب ایسے بااختیار ہیں کہ مرید جی کی پکار پر قبر میں جا پہنچے اور فرشتوں کو سوالات کرنے کے جرم کی پاداش میں ایسا تھپڑ رسید کیا کہ وہ دور جا پڑے۔

2 کچھ تو بروز قیامت مچل مچل کر اللہ سے مجرمین کو چھڑاتے نظر آتے ہیں۔

3 کچھ اور آگے بڑھ کر اک آہ سرد سے جہنم کو ٹھنڈا کر رہے ہیں۔

4 کچھ بزرگ اپنی بزرگی کا فائدہ اٹھا کر اپنے مریدین کو بلا حساب کتاب جنت میں گھسیٹ لے جارہے ہیں۔

5 کسی باباجی کی پرواز اتنی بلند ہے کہ ملک الموت سے روحوں کا ''تھیلا اور زنبیل'' چھین کر اس روز کی قبض شدہ تمام روحیں آزاد کر دیتے ہیں۔ استغفر اللہ من ذالک۔

یہ وہ فرسودہ خیالات ہیں جن پر عقائد کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہمارا دین آفاقی و کتابی ہے رواجی یا زبانی نہیں کہ جو جس کے جی میں آئے کہتا پھرے۔

بزرگانِ دین اور ہم:

یہ غور کرنے کی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمانی مخلوقات میں سب سے افضل مخلوق فرشتوں اور زمینی مخلوقات میں سب سے افضل مخلوق انبیائے کرام علیہم السلام کی خدائی کمالات واختیارات میں شریک ہونے کی تردید فرمادی تو اور کون ہوگا جو اس میں شریک ہو؟ جہاں تک اولیاء کرام اور بزرگان دین کا معاملہ ہے ان کی تمام زندگی عقیدہ توحید پر کاربند رہتے ہوئے اور اسی کا پرچار کرتے ہوئے گزری ہے۔ انکے دنیا سے جانے کے بعد انہیں خدائی صفات میں شامل کر کے اپنا ''قبلہ'' بنالینا ''یاروں نے بت شکن کو بت ہی بنا کے چھوڑا'' کے مصداق ہے۔ ان نیکوکار بزرگان دین نے کب کہا تھا کہ تم ہماری ہی قبروں کی پوجا پاٹ شروع کر دینا؟ یہ بزرگانِ دین

کی تعلیمات سے انحراف اور ان معزز ہستیوں کی گستاخی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: سب سے پہلے شرک بزرگ ہی کی ذات سے شروع ہوا ہے''[1] افسوس کا مقام ہے کہ آج کا پڑھا لکھا انسان اللہ کا نازل کردہ قانون چھوڑ کر، قرآن وحدیث سے رشتہ توڑ کر، من گھڑت آبائی رسموں، توہم پرستی، خیالی وتصوراتی قصے کہانیوں، پیرو مریدی کی حکایتوں سے تیار کردہ خواہشات نفسانیہ کے مغلوبے کو دین کا نام دے کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے۔ حق اور باطل، کھرے اور کھوٹے کو پرکھنے کی صلاحیت ماند پڑگئی ہے اور اندھی تقلید میں بھیڑ چال چلی جارہی ہے عقل حیران ہے کہ جس قوم نے دنیا کو سیراب کیا وہ آج کیوں تشنہ ہے؟ جس قوم نے دنیا کو تہذیب وتمدن کا سبق پڑھایا وہ آج کیوں غیرمہذب وغیرمتمدن ہوگئی ہے؟ یوں کہا جائے تو بجا نہ ہوگا پاک وہند کے مسلمان برس ہا برس ہندو معاشرے سے میل جول کی بنا پر غیرمحسوس طریقے سے ان کی ذہنی غلامی پر آمادہ ہوچکے ہیں اور انہی کے رسوم ورواج کے جراثیم ہمارے معاشرے میں سرایت کرگئے ہیں بلکہ فرائض مذہب کی مانند شامل ہوگئے ہیں اور غلبۂ رسوم نے ان کی برائی اور مفاسد کو بھی نظروں سے اوجھل کردیا ہے۔ کلام پاک میں تمام تر اختیارات کا مرکز خدائے وحدہ لاشریک کی ذات کو قرار دیا گیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ ۝[2]

''بیشک جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ پکارتے ہو وہ تم جیسے ہی بندے ہیں
انہیں کیا قدرت کہ کسی کی حاجت ومراد پوری کرسکیں''

معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا جو کچھ ہے وہ اللہ کی مخلوق ہونے میں بے بس وبے اختیار ہے۔ مخلوق میں کیا جرأت کہ خالق کی برابری کرسکے......؟

1۔ حجۃ اللہ البالغہ جلد1صفحہ62   2   سورہ اعراف آیت194

وہ اللہ معبود ہے ہم سب اس کے بندے ہیں۔ وہ مالک ہے، باقی سب اس کے مملوک ہیں اور مملوک کبھی شریکِ مالک نہیں ہو سکتے بلکہ تمام تر اختیارات اللہ نے اپنے قبضۂ قدرت میں رکھے ہیں:

﴿قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾[1]

''آپ (ﷺ) یہ بھی کہیے وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے''۔

اللہ کے عالی دربار تک رسائی:

یہ تصور سرے سے غلط ہے کہ مخلوق اپنے خالق حقیقی کے سامنے عرضیاں پیش کرنے کی بجائے اس کے کسی نائب یا وزیر کے آگے پیش کرے جو اسے لے جا کر اللہ کے آگے پیش کرے اور نہ ہی ایسا معاملہ ہے کہ سفارش و شفاعت کے بغیر اس کے دربار تک رسائی ناممکن ہو۔ وہ تو ہر پل و ہر آن ہمارے ساتھ ہے پھر درمیان میں واسطے کا کیا کام.....؟ لہٰذا یہ تاثر قطعاً غلط اور قابلِ ترک ہے۔ اگر کسی نے ایسا نظریہ قائم کر لیا ہے تو وہ اس کا خود ساختہ نظریہ ہے۔ اسلام اور اسلاف اس سے بری ہیں۔

اللہ پاک اپنے بندوں کی رگِ جان بلکہ انکے تخیل سے بھی زیادہ قریب ہے:

﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾[2]

''ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں''

اللہ کی بارگاہ دنیاوی درباروں کیطرح نہیں:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی کو دنیاوی شاہی درباروں پر ہرگز قیاس نہ کیا جائے۔ کیوں کہ دنیا میں بادشاہ و رعایا کے درمیان واسطوں کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ وہ تمام رعایا کی فریاد خود نہیں سن سکتے اور نہ ہی ہر شخص براہ راست اپنی آواز ان تک پہنچا

1..... سورہ مومنون آیت88 2..... سورہ ق آیت 16

سکتا ہے یہ ایک وقت میں ایک یا دو افراد کی بات سن سکتے ہیں دنیا کی ہر زبان سے واقف نہیں انہیں ایک محدود مدت تک کام کے بعد آرام کی ضرورت پیش آتی ہے اگر ایک کی جگہ دوسرا حاکم آجائے تو تمام اصول وضوابط بھی بدل جاتے ہیں۔اس کے برعکس حق تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ دنیا کے سارے انسانوں، فرشتوں، جنات اور حیوانات میں سے ہر ایک کی آواز گویا اس طرح سنتا ہے کہ ساری کائنات خاموش ہے اور صرف وہی ایک گفتگو کررہا ہے۔ ہر شخص ہر زبان میں ہر وقت اس کے سامنے فریاد پیش کرسکتا ہے۔اسے نہ آرام کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کے نظام میں تغیر وتبدل کی کوئی گنجائش ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں تصرف کے کچھ اختیارات نبیوں، ولیوں اور اماموں کو عطا کر کے خود مختار نہیں بنایا کہ جو چاہیں کریں، جس کو چاہیں عطا کریں یا جس سے چاہیں روک لیں چونکہ دنیا کے سربراہان مملکت کا اپنے ماتحتوں کو اختیارات دینا ان کا عجز وقصور ہے اس کے بغیر نظام حکومت نہیں چل سکتا۔ یہ ہر چھوٹے بڑے کام کو بذات خود کرنے سے قاصر ہیں لہٰذا قدم قدم پر معاونوں ومشیروں کے محتاج رہتے ہیں۔اس کے برعکس اللہ تعالیٰ عجز واحتیاج سے بالکل پاک ہے۔اسے کائنات کے ایک ایک ذرے کا علم بھی ہے اور اس پر قدرت بھی۔کائنات کی کوئی چھوٹی بڑی چیز نہ اسکی قضا وقدر سے باہر ہے نہ اس کے حکم سے آزاد۔حق تعالیٰ کا علم، ارادہ، مشیت، قدرت وتکوین، زمین وآسمان کی ایک ایک چیز پر حاوی اور ہر ذرّے پر محیط ہے اور پھر اللہ کو افسران بالا پر قیاس کرنے سے خالق کی مخلوق سے، جابر کی مجبور سے الغرض معبود برحق

کی عبد محض سے تشبیہ لازم آئے گی جو گناہ عظیم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ...... وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ 1

"آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی پرستش کرتے ہو جو نہ تمہارے لیے نقصان کا اختیار رکھتا ہے نہ نفع کا حالانکہ سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا تو اللہ ہی ہے"۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین نام:

حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالیشان وارد ہے:

ان احب اسمائکم الی اللہ عبد اللہ وعبدالرحمن 2

"بیشک اللہ کے نزدیک تمہارے ناموں میں پسندیدہ ترین دو نام ہیں عبداللہ اور عبدالرحمٰن"۔

وجہ یہ ہے کہ ان میں عبدیت کا اظہار ہے کیونکہ عبد کے معنی ہیں "بندگی کرنے والا" اور بندگی اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں۔ ایک صاحب کی نظم کا مصرعہ سنیے اور سر دھنیے:

"ہم ہیں عبدالمصطفیٰ تو تجھ کو کیا"

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "تجھ کو کیا" سے کسے خطاب کیا جا رہا ہے؟ اوپر جو حدیث بیان کی گئی ہے وہ کسی کی من چاہی بات تو نہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور مخلوق کی سرکشی دیکھیے کہ بانگ دہل چیلنج کر رہی ہے کہ اگرچہ اللہ ہمیں اپنا بندہ بنانا چاہتا ہے مگر ہم اس کے "بندے" کے بندے بنیں گے حالانکہ مسلمان ہوتے وقت انسان اللہ کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کے بندہ اور رسول ہونے کی بھی گواہی دیتا ہے لیکن جو شخص خود کو اللہ کے بندوں کا بندہ کہے گویا وہ اسلام میں داخل ہی نہیں ہوا۔

---

1 سورہ مائدہ آیت76 2 ...فتح الباری شرح بخاری صفحہ210

ہر تعلیم یافتہ شخص جانتا ہے کہ ریاست میں نجی ریاست بنانا قانوناً بغاوت کہلاتا ہے۔

اللہ سے یہ ضد کیسی کہ کھائیں کسی کا اور گائیں کسی کا......؟

اولاد کس سے مانگی جائے؟

اولاد اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جسے بندوں کو عطا کرنا یا محروم رکھنا اللہ تعالیٰ کے اختیار وقدرت میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا کوئی دوسرا اسکی مشیت وتدبیر میں دخل اندازی کرنے کی قدرت واختیار نہیں رکھتا۔ کلام پاک کی رہنمائی سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ایسے حالات میں جب بظاہر اولاد ہونا ناممکن ہو، اللہ سے عاجزانہ درخواست کرتے ہیں اور اللہ انہیں اولاد عطا کرتا ہے جیسے کبر سنی میں حضرت زکریا علیہ السلام کے گھر یحییٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر اسمٰعیل واسحٰق علیہما السلام پیدا ہوئے جبکہ ہمارے معاشرے میں مزاروں پر ایک شوریدہ سر اٹھ کر نعرہ کستا ہے ”لے لے ککڑ دیدے پتر“ اور اس پر ایسا پختہ یقین ہے کہ بعضے لوگ اپنا بچہ بھی لاکر دکھلاتے ہیں کہ اجی فلاں بابا کی دین ہے۔ نہ معلوم مزار والے بابا کی کرامت ہے یا باہر بیٹھے مجاور کی ”برکت“......؟ ان موٹی عقل والوں سے کوئی پوچھے کہ جس سے بیٹا مانگ رہے ہو خود اس کو کس نے پیدا کیا تھا......؟ اور پھر بابا جی کی سخاوت پر تو حاتم طائی بھی شرما گیا ہوگا کہ صرف ایک مرغا لیکر بیٹا دے رہے ہیں۔

اسکا جواب کلام پاک میں ہے:

﴿يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ يَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ......وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَآءُ عَقِيمًا﴾[1]

”اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے جسے چاہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہے بیٹے عطا کرتا ہے۔
یا بیٹے اور بیٹیوں کے جوڑے عطا کرتا ہے اور جس کو چاہے بانجھ کر دیتا ہے“

1......سورہ شوری آیت 50

کشتی کون پار لگاتا ہے؟

مبالغہ آرائی کے وقت عموماً عقل کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ شرک اور بدعت کی ایسی ایسی اقسام رائج ہو چکی ہیں جن سے زمانۂ جاہلیت والے بھی ناآشنا تھے۔مشرکین جب مصیبت میں گھرتے تو اپنے تمام خودساختہ معبودوں سے ناطہ توڑ کر صرف اللہ کی ذات برحق کو پکار اٹھتے تھے اور ان کی اصل فطرت لوٹ آتی تھی کہ اللہ کے سوا کوئی بھی صاحب تصرف و مالک اور صاحب اختیار نہیں، ملاحظہ فرمایئے:

﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ ...... الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ﴾[1]

''پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو خالص اسی پر اعتقاد رکھ کر پکارتے ہیں۔

جب اللہ انہیں خشکی کی طرف بچالایا تو اس کا شریک بنانے لگے''

معلوم ہوا کہ انسانی ضمیر کی اصل آواز یہی ہے۔باقی سب بناوٹ اور ڈھکوسلے ہیں۔یہاں ایک مستانے کی زبان پر وِرد جاری ہے ''معین الدین چشتی لگادو پار کشتی'' تو دوسرا کہہ رہا ہے ''دم بہاء الحق بیڑا دھک'' یعنی ان کے خیال فاسد میں خواجہ معین الدین اور بہاء الحق رحمہما اللہ تعالیٰ قبروں میں بیٹھ کر کشتیاں چلا رہے ہیں، کیا یہ مخبوط پن نہیں کہ اسقدر عظیم المرتبت بزرگانِ دین کو اپنی کشتی کے ملاح و ناخدا کا درجہ دیا جائے؟ اگر بالفرض محال اس صریح مغالطے کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو بتلایئے کہ سب سے پہلی کشتی بنانے والے نبی حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کس نے پار لگائی تھی ....؟ پھر اس وقت سے لیکر ان بزرگان دین کے پیدا ہونے تک کے درمیانی عرصہ میں کشتیاں کون پار لگاتا رہا ہے.....؟ جو لوگ بحری راستے سے سفرِ حج وغیرہ پر جاتے ہوئے غرق آب ہو جاتے ہیں اس کا الزام کس کے سر ہوگا؟

---

1 سورہ عنکبوت آیت 65

کلام پاک اس کا جواب اسطرح دیتا ہے:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ ﴾ 1

''اللہ وہ ذات ہے جس نے سمندروں کو تمہارے تابع کر دیا
تا کہ اس میں اللہ کے حکم سے کشتیاں چلا کریں''

مزارات پر حاضری کے آداب:

آنحضرت ﷺ نے جب قبروں پر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تو اس وقت یہ بھی بتا دیا کہ قبروں پر کچھ لینے کی غرض سے نہ جاؤ بلکہ کچھ دینے کے لئے جاؤ یعنی قبر والوں کے حق میں دعائے خیر کیا کرو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اسکی توضیح میں فرماتے ہیں زیارتِ قبور سے مقصود یہ ہے کہ زائر کو عبرت حاصل ہو اور صاحبِ قبر کو خیر و برکت ملے۔ زیارتِ قبور میں مستحب یہ ہے کہ میت کو سلام کرے، نہ قبر کے اوپر ہاتھ پھیرے، نہ اسے چھوئے اور نہ ہی بوسہ دے اس لئے کہ یہ تمام باتیں نصاریٰ کرتے ہیں۔ 2

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس کام کے لئے بھیجا تھا کہ جو قبر اونچی نظر آئے اسے برابر کر دوں۔ 3

فقہ حنفی کے سب سے معتبر فقیہہ علامہ شامی فرماتے ہیں ''میری نظر میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جس نے قبر پر عمارت بنانے کو جائز کہا ہو۔ 4

نیز آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ تمہیں موت کی یاد دلاتی ہیں''۔ 5

---

1 سورہ جاثیہ آیت 12 — 2 احیاء العلوم جلد 4 صفحہ 722

3 مشکوۃ صفحہ 148 — 4 فتاویٰ شامی جلد 1

5 مسلم شریف جلد 1 صفحہ 314، سنن نسائی جلد 2 صفحہ 1128، ابن ماجہ صفحہ 729

ظاہر ہے عبرت کے لئے گورغریباں ہی موزوں ہوسکتی ہے نہ کہ سنگ مرمر سے تراشیدہ خوبصورت عمارتیں، رنگ و روشنی کا سیلاب اور ان پر دل لبھا دینے والے اشعار۔

امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور فقہ حنفی کی تدوین کرنے والے عظیم فقیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''احنافؒ اسے صحیح نہیں سمجھتے کہ جو مٹی قبر سے نکلے اس سے زیادہ ڈالی جائے اور ہم قبریں پختہ بنانے اور ان کی لپائی کو بھی مکروہ جانتے ہیں'' ۔1

مگر شریعت کے ان اصولوں سے قطع نظر آج کل اس مرض نے فیشن کی شکل اختیار کرلی ہے کہ قبریں پختہ کر کے ان پر شاندار روضہ تعمیر کیا جائے گویا جہلا کا معیار ولایت ہی یہی ہے۔ آج بھی یہ جہالت عام ہے کہ اکثر حضرات جہاں کہیں بھی کوئی گنبد والی عمارت دیکھ لیتے ہیں تو عقیدت کے طور پر سر کے اشارے سے اس عمارت کو سلام کرتے ہیں۔ ایسے بہت سے واقعات رونما ہوئے کہ کسی تاجر قبر نے جھوٹے خواب کا ڈرامہ رچا کر کسی جگہ معتبر نام سے جعلی قبر بنا ڈالی اور کمزور عقائد کے حامل لوگوں نے اس کی پرستش شروع کردی۔ کھوتے شاہ، کھمن شاہ اور نجانے کتنے شاہ بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں پھر چند بیروزگاروں کا ان قبروں پر مجاور بن کر بیٹھنا بھی کاروباری رنگ دھار چکا ہے۔ ساتھ ساتھ لینڈ مافیا سے لیکر ڈرگ مافیا تک سب کی چاندی شروع ہوجاتی ہے۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ان جگہوں پر عورتوں کی بے پردگی، دھاچوکڑی اور مصنوعی حال ڈال کر ناچ کودنے انسانی حدود کو پامال اور عفت وحیا کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی

---

1 کتاب الآثار صفحہ96

زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔1

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''عورتوں کو قبرستان جانے کی اجازت دینا ٹھیک نہیں کیونکہ یہ وہاں جا کر بہت زیادہ لغو اور بیہودہ حرکتیں کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں عورتیں بن سنور کر نکلتی ہیں اور راستے میں بے پردہ ہو جاتی ہیں'' 2 ذرا غور فرمائیے یہ اس زمانے کی بات نقل کی گئی ہے جو آج کے زمانے سے بدرجہا بہتر تھا۔ آج جو حالت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اگر کوئی اپنی فیملی کے ساتھ شب برأت کو قبرستان نہ جائے تو گویا اس کے ایمان میں ہی شک ہو جاتا ہے۔ قبرستان یاترا کے لئے شب برأت سے مہینوں پہلے راستوں کی صفائی اور لائٹنگ کا انتظام کیا جاتا ہے اور پھر وہاں جس قسم کی ''مخلوط عبادات'' سرانجام دی جاتی ہیں وہ لکھنے سے صفحہ شرمسار اور قلم گنہگار ہو جانے کا اندیشہ ہے ہمیں تو ڈر ہے کہ اگر یہی حالت رہی تو کچھ عرصہ بعد قبرستان پر بھی ایک بورڈ آویزاں ہو گا۔

''بغیر فیملی کے داخلہ منع ہے''

اور پھر یہ بھی سوچئے کہ یہ اللہ کی مرضی ہے کہ صاحب قبر پر اسکے اعمال کے سبب رحمت فرمائے یا عذاب سے دوچار کرے لیکن ہم جو قبر پر اگر بتی جلا کر کارِ ثواب کماتے ہیں وہ خواہ اندر سلگے یا باہر سلگے دونوں صورتوں میں قبر پر آگ جلتی ہے۔ گویا ہماری طرف سے فیصلہ ہو چکا کہ قبر والا کس حال میں ہے......؟

بیت اللہ بمقابلہ بابا کا مزار:

ہم نفسانی خواہشات پر چلتے چلتے یہاں تک آ پہنچے ہیں کہ آج دین کے نام پر بے دینی عام اور ہر شعبہ میں انحطاط اور زوال ہے۔ اب تو حالت یہ ہے کہ مزارات کو اللہ

---

1 مشکوۃ صفحہ 354 2۔ احیاء العلوم جلد4 صفحہ 791

تعالیٰ کے گھر خانہ کعبہ کی طرح مقدس سمجھا جاتا ہے اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو صرف بیت اللہ کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔ ہر سال حج کے ایام کی طرح عرس کے ایام مقرر ہیں۔ احرام کی جگہ ننگے سر یا ننگے پیر چلنے کی قید ہے۔ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ......!! کے مقابلے میں حق باہو، بیشک یا ہو کا نعرہ لگتا ہے۔ غلاف کعبہ کی طرح قبر کی چادر شریف کا انتظام ہوتا ہے۔ حجر اسود کے بوسے کی جگہ قبر کے سرہانے اور پائنتی کو چوما جاتا ہے۔ طواف کا نعم البدل قبر کے پھیرے ہیں۔ رکوع وسجدے، دعائیں اور مناجاتیں بھی کی جاتی ہیں۔ بیت اللہ کے ملتزم کی طرح بابا کی ڈیوڑھی اور دروازے سے چمٹا جاتا ہے۔ بابا جی کی بیٹھک سے ان کی قبر تک دوڑ لگا کر صفا ومروہ کی سعی کی نقالی جاتی ہے۔ زمزم کے مقابلے میں قبر کو دھویا گیا متبرک دھوون حاضر ہے۔ ھدی (حج میں قربانی کا جانور) کی بجائے بابا جی کی نذر کا بکرا ساتھ آتا ہے۔ قبر کے پاس پہنچ کر اس قدر خوفزدہ ہوئے جاتے ہیں کہ حد نہیں لوبان دانی کی خاک کبھی بدن پر مل جاتی ہے تو کبھی بچوں کو چٹائی جاتی ہے۔ بابا جی کی ''حرمت'' کا اس قدر پاس ہے کہ واپسی میں الٹے پاؤں چلتے ہیں کہ کہیں پیٹھ نہ ہو جائے، اگر چہ اس طرح بیت اللہ کی پیٹھ ہو رہی ہو اس کی کوئی پروا نہیں۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کے شرک میں فرق رہ گیا ہے تو صرف ناموں اور طریقوں کا ہے۔ ہم نے ذرا اپ ٹو ڈیٹ ہو کر اپنی ''پرستش'' کو عبادت کا نام نہیں دے رکھا ورنہ حقیقت تقریباً ایک ہی ہے کیونکہ ناموں کے اختلاف سے حقیقت نہیں بدلا کرتی۔

نہ معلوم یہ خرافات کہاں سے اخذ کر لی گئی ہیں جو آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے دین سے ذرا میل نہیں رکھتیں۔ دراصل اندھی عقیدت انسان کے فہم وادراک کو مکمل طور پر اپنے قبضے میں لے لیتی ہے اور اس بے بسی میں دلائل کی کوئی وقعت نہیں

رہتی۔ کوئی بھلا مانس بتلائے کہ قبر میں میت کے سینے پر عہد نامہ رکھنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ کیا اللہ کے رسول ﷺ نے اس قسم کا عہد نامہ کسی میت کی چھاتی پر رکھوایا ہے؟ کیا یہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے اسمائے مبارک کی بے حرمتی نہیں؟ جناب رسول اللہ ﷺ نے تو قبر کو اعمال کا صندوق قرار دیا ہے یہ کاغذ کے پرزے کہاں سے درمیان میں آ گئے؟ اسکے علاوہ آپ ﷺ نے قبروں کو آراستہ کر کے ان پر عبودیت کے مراسم بجالانے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور اسے یہود و نصاریٰ کا فعل بتلایا ہے، ملاحظہ ہو:

لعنة الله علی الیهود والنصاری اتخذوا قبورا نبیائهم مساجد۔[1] "اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا ڈالا"۔

آنحضرت ﷺ کو مختار کل سمجھنے والے فریق کے پاس قرآن پاک یا حدیث رسول ﷺ سے کوئی واضح دلیل نہیں ہے اور ہو بھی نہیں سکتی البتہ اپنی ڈیڑھ حاشیے کی عقل استعمال کرتے ہوئے باطل تاویلات کا سہارا لیکر یہ حضرات دعویٰ کیے بیٹھے ہیں کہ "آپ ﷺ کارخانہ خداوندی کے مالک و مختار ہیں" جو سراسر غلط فہمی پر مبنی اور اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ سردست فریق ثانی کے دو قابل توجہ استدلال جو درحقیقت مغالطے ہیں، نقل کیے جاتے ہیں تاکہ اذھان میں کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

پہلا مغالطہ:

کلام پاک میں ہے:

﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ... اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾[2]

"سو تم مومنوں نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا اور آپ (ﷺ) نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی لیکن وہ اللہ نے پھینکی"۔

فریق ثانی کا کہنا ہے کہ حقیقتاً تو خاک بھری مٹھی جناب رسول اللہ ﷺ نے پھینکی

1 بخاری شریف صفحہ 228، مسلم شریف صفحہ 103 2 ....سورہ انفال آیت 17

تھی لیکن اللہ نے اس کی نسبت اپنی طرف کی ہے تو ثابت ہوا کہ احد واحمد میں کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح بیعت رضوان کے وقت اللہ نے فرمایا تھا کہ "جو لوگ آپ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں"[1] لہٰذا آپ ﷺ مختار کل ٹھہرے۔ اس نظریئے کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اللہ، رسول اللہ ﷺ میں حلول کر گئے ہیں۔ اگر بات اسی طرح ہے تو ہم یہ پوچھنے کی جسارت کر سکتے ہیں کہ بیچارے عیسائیوں کا کیا قصور کہ اللہ نے انہیں کفر کا سرٹیفکیٹ دیدیا ہے؟ ان کے نزدیک بھی اللہ اور عیسیٰ علیہ السلام میں کامل اتحاد ہو گیا ہے۔ بہر حال اس حد تک تو دونوں متفق ہیں کہ اللہ کے بندے اللہ میں حلول کر جاتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) یہ ایسی جرأت ہے جس کا جواز کم از کم شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ڈھونڈنا مشکل ہے۔ اگر آیت کے اول حصہ پر نظر ڈالی جائے تو انکے نظریے کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم بھی خدائی صفات کے مالک اور مختارِ کُل بن جاتے ہیں کیونکہ حقیقت میں دشمنوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم نے قتل کیا تھا لیکن اس کی نسبت بھی اللہ نے اپنی طرف کی ہے کہ دشمنوں کو ہم نے قتل کیا ہے اس بارے میں کیا خیال ہے؟

مفسرین کے نزدیک آیت کریمہ کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ انسانی طاقت سے باہر معجزے میں اللہ تعالیٰ کے فعل کا خاص دخل ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کا کام مٹھی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینک دینا تھا اور اس کو دور و نزدیک، سامنے اور پیچھے، دائیں بائیں ہر شخص کی آنکھوں میں پہنچانا محض اللہ کی قدرت سے ہوا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کی نسبت اپنی طرف کر دی کہ کم فہم لوگ اس معجزے سے آپ ﷺ کو مختار کل نہ سمجھ بیٹھیں۔

---

1 سورۃ فتح آیت 10

دوسرا مغالطہ:

حدیث پاک میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد وارد ہے:

☆ انما انا القاسم و اللہ یعطی۔[1] "میں تو بس بانٹنے والا ہوں اللہ عطا کرتا ہے"۔

فریق ثانی نے حدیث بالا سے یہ نظریہ قائم کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا دینے والا اور رسول اللہ ﷺ تقسیم کرنے والے ہیں لہٰذا جو کچھ اللہ کسی کو دیتا ہے وہ آپ ﷺ ہی کی تقسیم سے ملتا ہے۔ بظاہر تو الفاظ کو بہترین جامہ پہنایا گیا ہے مگر حقیقت اس اس طرح نہیں بلکہ یہ قند میں ملا زہر ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کو جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی صفات شمار کرنے لگیں کے تو نہ صرف عذاب خداوندی کے مستحق ٹھہریں گے بلکہ پیارے رسول ﷺ کے احکامات وعمل کے خلاف کرنے سے رسول اللہ ﷺ کے باغی بھی بن جائیں گے۔ کیونکہ یہ بے بنیاد عقیدہ روح اسلام کے سراسر خلاف اور عیسائیت کی ہو بہو پیروی وتقلید ہے۔[2] محدثین کرام کی رائے کے مقابلے میں ہر بات ایجاد بندہ کہلائے گی۔

علامہ طیبیؒ اسکی تشریح میں فرماتے ہیں:

"حدیث سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر منجانب اللہ احکام زکوٰۃ، حج، قربانی وصدقہ، امیر وغریب کے حقوق، مقیم ومسافر کے مسائل، امیر لشکر وغنائم وغیرہ سے متعلق جو کچھ نازل ہوتا تھا اس کو وحی الٰہی کے مطابق لوگوں میں تقسیم کرتے تھے"۔[3]

یہی وجہ ہے کہ احادیث کی تمام کتابوں میں یہ حدیث "باب العلم" اور "باب

1۔ مشکوٰۃ صفحہ 32 2 تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ مائدہ رکوع 14

3۔ حاشیہ ترمذی صفحہ 107

الغنائم" میں مذکور ہے جس میں یہ علمی نکتہ پوشیدہ ہے کہ علم اور مالِ غنیمت حقیقۃً اللہ کی طرف سے حاصل ہوتے ہیں اور جناب رسول پاک ﷺ اللہ کے حکم کے مطابق اسے لوگوں میں تقسیم فرما دیتے ہیں۔ اگر حدیث بالا سے آنحضرت ﷺ کو مختار کل مان کر یہ ثابت کرنے پر اصرار کیا جائے کہ "ہر چیز" آپ ﷺ تقسیم کرتے ہیں تو جواب دیجیے کہ کیا مکلف احکام ہونے کے باوجود آپ ﷺ جھوٹے کو اس کے جھوٹ کا حصہ، شرابی کو اس کی شراب اور دنیا کی دوسری واہیات چیزیں بھی تقسیم کرتے ہیں......؟ نیز کیا آپ ﷺ نے ہندو پاک کو "تقسیم" کر کے مسلم اکثریتی علاقے اور ہماری بیشمار مساجد بھی غیروں میں بانٹ دی ہیں......؟ اور یہ بھوک و افلاس سے تنگ آ کر خودکشی کرنے والوں پر کیا آنحضرت ﷺ نے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے......؟ (اعاذنا اللہ منہ) اس عقیدے سے آپ ﷺ کی تعظیم نہیں بلکہ توہین لازم آتی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کسی قانون اور حکم کی پابند نہیں سو اللہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

احادیث طیبہ اور عقیدۂ مختار کل

اب ہم احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں ثابت کریں گے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی مصائب و مشکلات میں بندوں کی دستگیری فرماتا ہے اور ان کے بگڑے ہوئے کام بناتا ہے کیونکہ اختیار و تصرف کا دائرہ کار فقط اسی کی ذات تک محدود ہے۔ تمام انبیاء و رسل نے بھی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے اسی ذات کا دامن تھاما اور اسی کے آگے سر تسلیم خم کیا اور یہی تعلیم اپنی اپنی امتوں کو بھی دی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضور اقدس ﷺ

کے ساتھ سواری پر تھا۔ آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

''اے لڑکے! تو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا۔ اور جب کچھ مانگنا ہو تو اللہ سے مانگ، جب مدد کی ضرورت ہو تو اللہ سے مدد طلب کر۔ اور یقین رکھ ساری دنیا تجھے کوئی نقصان پہنچانے پر جمع ہو جائے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ اور اگر ساری دنیا تجھے کوئی نفع پہنچانے پر جمع ہو جائے تو کوئی نفع نہیں دے سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے''۔1

امام ربانی، محبوب سبحانی، شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں ''ہر مومن کو چاہیے کہ حدیث بالا کو اپنے ظاہر و باطن اور کردار کا آئینہ بنائے'' اپنے نام کے ساتھ ''قادری'' کی عظیم نسبت لگانے والوں کے لئے پیرانِ پیر کا یہ قول یقیناً مشعلِ راہ ہوگا۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اہل خاندان کو جمع کر کے فرمایا:

''اے میرے چچا عباس رضی اللہ عنہ، اے میری پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا، اے میری لاڈلی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے مملوکہ مال سے جتنا چاہو مانگ لو مگر اپنے بچاؤ کا انتظام کر لو میں تمہیں خدا کی گرفت سے نہیں بچا سکتا۔2

ثابت ہوا کہ سزا سے بچنے یا نجات پانے کے لئے پیغمبروں سے رشتہ بھی کام نہیں آ سکتا۔ جب آپ ﷺ اپنے رشتہ داروں سے اس طرح فرما رہے ہیں تو دوسروں کے مصائب و تکالیف اور خداوندی عذاب سے بچانے کا اختیار بھی آپ کو نہیں، کیا

1 مشکوہ صفحہ453، ترمذی شریف جلد2 صفحہ78

2 بخاری شریف جلد2 صفحہ702، مسلم شریف جلد1 صفحہ114

آپ ﷺ سے بڑھ کر بھی کسی کا رتبہ ہوسکتا ہے کہ دنیا میں جو چاہے کرتا پھرے؟ نیز آپ ﷺ سے یہ دعا بھی منقول ہے:

☆اللھم انی اسئلک من کل خیر خزائنہ بیدک و اعوذبک من کل شر خزائنہ بیدک۔[1]

''اے اللہ! میں تجھ سے ہر بھلائی کا سوال کرتا ہوں جس کے خزانے تیرے ہاتھ میں ہیں اور تیری ہر برائی سے پناہ چاہتا ہوں جس کے خزانے تیرے پاس ہیں''۔

ذرا بتلائیے کہ کیا مختار کل کو بھی ہر موقع پر سوال کی ضرورت ہوا کرتی ہے......؟

آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: کسی کا عمل اسے جنت میں لے جانے کے لئے کافی نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت فرمایا: کیا آپ کو بھی اے اللہ کے رسول ﷺ؟ فرمایا: ہاں! مجھے بھی مگر یہ کہ اللہ اپنی رحمت کی آغوش میں لیکر مجھے جنت میں داخل کردے۔[2] یہ رسول اللہ ﷺ کی شانِ عاجزی ہے مگر آج ہمارے معاشرے میں تو ہر کس و ناکس جنت کا ٹھیکیدار بنا نظر آتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ چند لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امداد کا سوال کیا۔ آپ ﷺ نے بیت المال سے ان کی ضرورت پوری فرمادی پھر وہ دوبارہ آئے۔ آپ کے پاس جو کچھ تھا وہ سب دیدیا۔ اسکے بعد آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جو مال ہوگا میں اسے ذخیرہ بنا کر نہ رکھوں گا کہ تمہیں نہ دوں۔[3]

سوال یہ ہے کہ کیا مختار کل کے خزانے بھی کبھی خالی ہوسکتے ہیں؟ کبھی آپ نے سنا

---

1 مستدرک حاکم صفحہ525

2 بخاری شریف جلد2 صفحہ957، مسلم شریف جلد2 صفحہ377

3 سنن نسائی صفحہ1 278، ابوداؤد شریف صفحہ232

ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں فلاں چیز کی کمی ہوگئی ہے؟؟ لوگ ناسمجھی میں کہہ دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو ہر چیز کے حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار حاصل تھا وہ درحقیقت قرآن کیساتھ ساتھ اس حدیث کا بھی انکار کررہے ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

☆ایھا الناس انہ لیس لی تحریم ماحل اللہ لی۔1 — ''اے لوگو جو چیز اللہ نے میرے لئے حلال کی ہے مجھے اس کے حرام کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے''۔

فقہائے احناف اور عقیدۂ مختارِ کُل

آخر میں علمائے دین اور فقہ حنفی کے معماروں کی روشنی میں عقیدہ مختار کل پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

☆ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالیٰ واعتقادہ ذالک کفر۔2 — ''اگر یہ گمان کرے کہ اللہ کے علاوہ صاحب قبر متصرف فی الامور ہے اور اسی کا اعتقاد رکھے تو یہ کفر ہے''۔

امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''شرعی امور میں حلت وحرمت کی نسبت آپ ﷺ کی طرف اس معنی میں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے دین کے مبلغ ہیں۔ اور آپ ﷺ کا کسی چیز کو حلال یا حرام کہنا اس بات کی قطعی نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو حلال یا حرام فرمایا ہے نہ کہ خود نبی

---

1 مسلم شریف جلد 1 صفحہ 209   2...... ردالمختار جلد 2 صفحہ 439

کریم ﷺ نے مختارِ کل ہوتے ہوئے اپنی مرضی سے ایسا کیا ہے"۔1

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بیشک مخلوق عاجز اور عدم محض ہے۔ نہ ہلاکت اس کے ہاتھ میں ہے نہ مِلک، نہ مالداری ان کے قبضے میں ہے نہ فقر، نہ نقصان ان کے ہاتھ میں ہے نہ نفع، نہ اللہ کے سوا کوئی قادر ہے نہ کچھ دینے والا اور نہ روکنے والا، نہ کوئی زندگی دے سکتا ہے اور نہ موت"۔2

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"مردوں سے مدد طلب کرنا خواہ ان کی قبروں پر جاکر کی جائے یا غائبانہ بلا شبہ بدعت ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے زمانے میں یہ معمول ہرگز نہ تھا۔3

خلاصۂ کلام:

ساری کائنات کا نظام اور اسے اپنی مرضی ومنشا کے مطابق چلانے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں تھا، ہے اور رہیگا جس میں کوئی فرد کسی طرح شریک نہیں۔ وہ اپنے اختیارات برگزیدہ ہستیوں کو عطا کرکے معزول ومعطل نہیں ہوا اور نہ کسی کو کائنات میں من مانی کا اختیار حاصل ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی دیگر صفات کی طرح صفت قدرت بھی محدود ہوا کرتی ہے ایسا نہیں کہ وہ جو چاہیں سو کر گزریں۔

اللہ تعالیٰ انبیاء یا اولیاء کے ہاتھ پر معجزے یا کرامت کے طور پر جو کچھ ظاہر فرماتا

---

1 [illegible] اللہ البالغہ صفحہ 494   2 الفتح الربانی مجلس نمبر16

3 [illegible] عزیزی صفحہ 89

ہے وہ براہِ راست اللہ کا فعل ہوتا ہے جو اسی کی قدرت اور منشا کے مطابق ظہور میں آتا ہے۔ اس وجہ سے انہیں خدائی اختیارات میں شراکت دار اور کائنات کے اچھے بھلے کا مالک و مختار سمجھنا بے دینی کے سوا کچھ نہیں اسی طرح کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ کے اختیار میں ہے جس کی تشریح اور وضاحت انبیاء کرام علیہم السلام کیا کرتے ہیں۔ کائنات میں تصرف، قدرت، رزق، اولاد، نفع ونقصان، بگڑی بنانے یا اللہ کی بارگاہ کو دنیاوی درباروں پر قیاس کرنا، قرآن کریم، احادیثِ طیبہ، طرز صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقۂ حنفی کے سراسر خلاف، باطل اور مردود ہے، نیز آپ ﷺ کو مختارِ کل ماننے سے آپ کی شفاعت کا انکار لازم آتا ہے۔

بحمد اللہ تمت